بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

شمارہ نمبر ۱۶ | ۲۵/جون ۲۰۲۲ء مطابق ۲۴/ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ | جلد نمبر ۵۹

اس شمارے میں

شعروادب توسلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں......	علامہ شبلی نعمانیؒ	۴
اداریہ حج کی عاشقانہ ادائیں	شمس الحق ندوی	۵
چشم کشا اسلامی حج اور دیگر مذاہب میں......	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۶
نشانِ راہ یقیں محکم، عمل پیہم	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۱
سنت براھیمی اے اللہ! یہ قربانی قبول ہو	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	۱۴
پیامِ عیدِ قرباں آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۶
محبت فاتحِ عالمؐ اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے......	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۸
عصر حاضر ظلم کا مزاج ملک و معاشرہ کے......	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۰
نقوش تاباں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مثالی کردار	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۱
یادِ رفتگاں راہِ حق کا مسافر ڈاکٹر ہارون رشیدؒ	مولانا سید محمد غفران ندوی	۲۲
تفہیم شریعت شرعی قانون کی بالادستی اور......	قاضی عبدالجبار طیب ندوی	۲۵
محاسن اسلام تحفظ ماحولیات میں اسلام کا کردار	مولانا محمد طارق نعمان	۲۸
رسید کتب تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۳۱
فقہ و فتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہو جانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ₹30/= جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج والم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کافروں نے یہ کیا جنگ احد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیر دو دم

ہو کے مشہور مدینے میں پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینان وعفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدۂ نم

ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں، نہ تھے ہوش وحواس اُن کے بہم

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ ستم

سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا، ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اُس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم؟

سب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اس نے رُخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج والم

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

☆☆☆☆☆

اداریہ

حج کی عاشقانہ ادائیں

شمس الحق ندوی

کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کو حج کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور وہ حج کے بعد گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائیں گے جیسے ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ حج کے تمام شعائر اس محبوب حقیقی کی محبت میں دیوانہ وار پھرنے کی ان عاشقانہ اداؤں کو تازہ کرتے ہیں جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے صفا و مروہ کے درمیان لگائے، اور اسی طرح یہ شعائر اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو ذبح کے لیے لے جانے کے وقت ابلیس کے بہکانے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنکری مارنے، قیامِ منیٰ ومزدلفہ اور قیامِ عرفہ کی صورت میں ادا ہوتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہوگا؛ عاشق اور محبّ ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے؛ جس کا تعلق اس کے محبوب سے ہو، کعبہ کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے، اس لیے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہیے، علاوہ اس اجر و ثواب کے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے‘‘۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے، اور محبت جوش مارتی ہے، اور وہ اس شوق کی تکمیل کے لیے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے‘‘۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ’ارکانِ اربعہ‘ میں لکھتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ امت کے نازک سے نازک دور اور تاریک سے تاریک زمانہ میں بھی وہ حج کو ان بابرکت ہستیوں سے کبھی محروم نہ رکھے گا‘ جن کو ہم ’علماء حق‘، ’مقبولِ بارگاہ‘، ’اہلِ دعوت واصلاح‘ اور ’اہلِ باطن‘ و’اہلِ قلوب‘ گمان کرتے ہیں، اور جن کی وجہ سے حج کی فضا روحانیت اور نورانیت سے اس قدر بھر جاتی ہے کہ سخت سے سخت دل بھی موم اور پتھر جیسے جگر بھی پانی ہو جاتے ہیں، اور باغی اور نافرمان بھی توبہ وانابت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں، وہ آنکھیں جن سے خوف یا ندامت کے دو قطرے بھی نہ ٹپکے تھے‘ یہاں پہنچ کر بے ساختہ اشک بار ہو جاتی ہیں، دل کی سرد انگیٹھیاں ایک بار پھر سُلگ اٹھتی ہیں، رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، اور سکینہ پورے ماحول کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، شیطان کو منھ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ’’شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ حقیر وذلیل، راندۂ درگاہ اور غصہ سے جلا بُھنا کبھی نہیں دیکھا گیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ دیکھتا ہے کہ رحمتِ الٰہی نازل ہو رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے‘‘۔

حاجیوں میں حاکم ومحکوم، آقا وغلام، امیر وفقیر اور چھوٹے بڑے، مرد وعورت، جوان وبوڑھے کا کوئی فرق نہیں ہوتا؛ سب کے سب ایک چادر ولنگی میں نظر آتے ہیں، سوائے عورتوں کے کہ پردہ کی وجہ سے ان کی حالت الگ ہوتی ہے، سب ایک ہی آواز لگاتے ہیں: ”لبيك اللّٰهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد و النعمة لك و الملك، لا شريك لك“ (حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں تیرے ہی لیے زیبا ہیں اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں، اور حکومت وبادشاہت میں بھی تیرا کوئی شریک نہیں)۔

حج کے ان روحانی حالات کو پڑھ کر ہر بندۂ مومن میں حج کرنے کا وہ شوق وجذبہ ہونا چاہیے کہ اس کے لیے اگر قرض لے کر بھی حج کو جا سکے تو ضرور جائے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

’’......اور کام تو قرض لے کر کیے جاتے ہیں، حج جیسی خیر وبرکت کے حصول کے لیے کیوں نہ قرض لیا جائے‘‘۔

البتہ یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ قرض کی ادائیگی میں استطاعت سے زیادہ بار تو نہ ہوگا؛ کہ قرض خواہ پریشانی میں ڈالیں اور ادائیگی کی صورت آسان نہ ہو، کیونکہ قرض کا ادا کرنا ضروری ہے، اور یہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے، جن میں کوتاہی حق تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے، الا یہ کہ صاحبِ حق خود ہی معاف نہ کرے۔

☆☆☆

چشم کشا

اسلامی حج اور دیگر مذاہب میں حج وزیارت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

دنیا کی کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں جو کچھ نہ کچھ مقدس مقامات نہ رکھتی ہو اور اس کے متبعین اور پیرو کسی خاص مذہبی موقع پر ایک جگہ جمع نہ ہوتے ہوں، ان مذہبی مقامات کی زیارت یا مذہبی سفر کے لیے کچھ اصول اور طریقے اور رسوم وروایات ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عمل فطرت بشری کے عین مطابق اور ضمیر کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہے، انسان جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، برابر کسی ایسی چیز کی جستجو اور آرزو میں رہتا ہے، جس سے قریب ہو کر وہ اپنے جذبۂ عقیدت ومحبت کی تسکین کر سکے، وہ ایک ایسا طویل اور بڑا عمل چاہتا ہے جس سے اس کے بڑے بڑے گناہوں اور مہلک غلطیوں کی تلافی ہو سکے، اور وہ ضمیر کی چبھن، مذہبی حس کی کھٹک، اور سوسائٹی کی ملامت سے چھٹکارا پا سکے، اس کے اندر ایک ایسے عظیم اور عام دینی اجتماع کی طلب پوشیدہ ہے جہاں صرف دینی اخوت اور روحانی رشتہ کار فرما ہو، کوئی دوسری اساس اور دوسرا جذبہ اس میں شامل نہ ہو، جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب کا کوئی دوران مذہبی سفروں، زیارت گاہوں اور مقدس ومتبرک مقامات سے خالی نہیں، جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے خود ساختہ معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کے لیے قربانیاں کرتے ہیں، نذریں مانتے ہیں، اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ ۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا، وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ [سورۂ حج:۳۴] (اور ہم نے ہر ایک امت کے لیے قربانی رکھ دی تھی تا کہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں، جو اس نے انھیں عطا کر رکھے ہیں، سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے تم اسی کے آگے جھکو، اور آپ خوشخبری سنا دیجیے گردن جھکا دینے والوں کو)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ، اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ [سورۂ حج:٦٧] (ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ (ذبح وعبادت کا) مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں، سو انھیں نہ چاہیے کہ آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں، اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے، بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں)۔

آثار قدیمہ کی دریافت اور تاریخی مقامات کی کھدائی سے دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں اور تہذیبی کھنڈرات میں بھی ایسے مذہبی مقامات کا پتہ چلا ہے، تاریخ نے اس طرح کی بہت سی چیزوں کی نشان دہی کی ہے، لیکن اس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے قوانین واحکام، آداب وتعلیمات کا علم بہت مشکل ہے، ہمیں اس سلسلہ میں اب تک جو معلوم ہو سکا اس کی حیثیت چند قیاسات یا ان منتشر اور غیر مربوط کڑیوں سے زیادہ نہیں جن سے کوئی واضح تصویر بنانا ناممکن ہے۔

یہودی اور اس کے بعد مسیحی مذہب اس سلسلہ میں ہم سے سب سے زیادہ قریب ہیں، انھوں نے تاریخ اور علم کی روشنی کا ایک طویل زمانہ پایا ہے، مؤرخین ومصنّفین نے بھی ان کے ساتھ اپنی پوری دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، اور وہ اب بھی واپسی بڑی اور زندہ قوموں کا مذہب ہے جو تہذیب وتمدن، علم وادب، اور سیاسی قوت تینوں چیزوں میں بہت آگے ہیں، 'بیت المقدس' اور اس کے قرب وجوار کے آثار ومقامات اب بھی ان قوموں کی زیارت گاہ اور مرکز عقیدت ہیں، اس کا حج ان کے ہاں بہت قدیم زمانہ سے رائج اور معروف ہے، لیکن جب اس کا مقابلہ ہم اسلامی حج سے کرتے ہیں، (جس کے احکام وتفصیلات کا ایک ایک جزئیہ اور منضبط ہے) تو ہمیں اس کی تصویر بہت دھندلی، مبہم اور نا تمام نظر آتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہودیوں کے سب سے مستند ماخذ (Jewish Encyclopaedia) کی دسویں جلد میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہاں پیش ہے:

"بیت المقدس کا حج جس کو (Reyiah) یعنی حاضری کہا جاتا تھا، تین تہواروں کے موقع پر ہوتا تھا جو عید الحصاد (Harvest Festival) عید الفصح (Easter) اور عید المظال (Feast of Tabernacles) کے نام سے موسوم تھے، یہودی ہدایات کے مجموعہ (Mishnah) میں ہے کہ نابالغوں، عورتوں، اندھوں اور ضعفاء اور جسمانی یا دماغی امراض میں

مبتلا لوگوں کے علاوہ سب کو حاضر ہونا ضروری ہے، نابالغ سے مراد ایسا بچہ ہے جس کو اس کا باپ بیت المقدس نہ لے جاسکے۔

شریعت موسوی کے بموجب ہر شخص کو کچھ نہ کچھ چڑھاوا پیش کش (Offering) بھی لے جانا چاہیے لیکن اس پیش کش کا تعین نہیں کیا گیا ہے، اگرچہ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کی حاضری لازمی نہ تھی، تاہم وہ اپنے شوہروں اور والدین کے ساتھ پہونچتے ہی تھے جیسا کہ عام میلوں میں ہوتا ہے۔

"Gesius florus" نے جو کہ ۶۳ تا ۶۶ میں وہاں رہا، اس طرح کہا ہے کہ "Passover" کے ایک تیوہار کے موقع پر اس نے یہودی قربانی کے میمنوں کی تعداد ۲۵۶۵۰۰، پائی، اگر ایک میمنہ کی قربانی دس افراد کی جانب سے ہوئی ہو تو زائرین کی تعداد پچیس لاکھ پینسٹھ ہزار ہوئی (یعنی ۲۵،۶۵،۰۰۰)۔

"Toseffa" کے ذکر کے مطابق ایک موقع پر بارہ لاکھ میمنوں کی ٹانگیں کاٹی گئیں جبکہ پجاری کو ہر میمنہ کی ایک پچھلی ٹانگ کے لینے کا حکم تھا، یہ تعداد غالباً ایک مبالغہ ہے۔

Temple (عبادت گاہ) کی بربادی کے بعد بھی حج کا سلسلہ بند نہیں ہوا، جب مسلمانوں نے صلاح الدین کی سرکردگی میں ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس کا علاقہ فتح کرلیا تو مشرقی علاقے کے یہودیوں کو بیت المقدس اور دوسرے متبرک مقامات (دمشق سے بابل اور مصر تک) کی زیارت کی سہولت حاصل ہوگئی، مشرق کے یہودیوں بالخصوص بابل اور کردستان کے یہودیوں میں چودھویں صدی سے یہ رسم رہی ہے کہ سال میں کم از کم ایک بار ''حج'' کو جایا جائے اور بہت سے تو یہ حج پا پیادہ کرتے تھے، صلیبی جنگوں کے زمانہ میں یورپ کے یہودیوں کی بھی حج کے لیے یورپ سے آنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

۱۴۹۲ء میں جب کہ یہودیوں کو "Spain" سے نکال دیا گیا ار جلاوطن یہودی کثرت سے ترکوں کے علاقہ میں آبسے تو یہودی زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی، اکثر اس کا اجتماع مقام "Ramah" پر پیغمبر "Samuel" کے مزار پر ہوتا تھا، جہاں ان کے سالانہ عید کے میلے ہوتے اور مذہبی رسوم ادا کی جاتیں۔

یہودیوں کو شکایت ہے کہ ان کے دوسرے ملکوں میں بسنے والے ہم مذہب ذوق حج و زیارت سے عاری ہیں، ان کے مقابلہ میں عیسائی ارض مقدس کی زیارت کرتے ہیں۔

حج معینہ تاریخوں میں ہوتے ہیں، شمالی افریقہ اور مشرق کے یہودی ان دنوں کو ''ایام زیارت'' کہتے ہیں، ان ایام میں ایسی عظیم ہستیوں کی قبروں، یا ان کی یادگاروں کی زیارت کی رسم قائم ہوگئی ہے جو یا تو کوئی بڑے بادشاہ، یا نبی، یا ولی اللہ (درویش) کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ان ایام حج وزیارت کو دعاؤں، خوشیوں اور عام تیوہاروں کی شکل میں مناتے ہیں، بیت المقدس میں ہر جمعہ کی شام کو نیز ہر روز کے دن کی شام کو اور ''تموز'' کی سترہویں کی شام کو ماہ (آب) کی نویں تک متواتر ۲۳/روز تک ہر روز یہودیوں کے گروہ ہیکل سلیمانی کی مغربی دیوار کے سامنے جمع ہوتے ہیں، موخر الذکر تاریخ (یعنی آب کی نویں تاریخ کو) یہ عبادت نصب شب کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی کچھ مقامی قسم کی زیارت گاہیں اور تیوہار ہیں جہاں تقریباً ہر ملک اور شہر میں یہودی جمع ہوتے ہیں''۔ [''جویش انسائیکلو پیڈیا'' عنوان (Pilgrimage)]

جہاں تک عیسائیوں کے حج وزیارت کا تعلق ہے اس کا خلاصہ ''دائرۃ المعارف مذاہب و اخلاق'' سے پیش کیا جارہا ہے:

''حج ایسے سفر کو کہتے ہیں جو متبرک مقامات کی زیارت کے لیے کیا جائے، مثلاً ہمارے آقا (حضرت عیسیٰؑ) کی دنیوی زندگی کے مناظر فلسطین میں، یا رہنمایان مذہب کے آستانے روما میں یا خدا رسیدہ درویشوں اور شہداء کے متبرک مقامات (آستانے)۔

عیسائیوں کی نسل اول نے متاخرین کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ (نجات دہندہ) کی زندگی کے راستوں پر چلنے (ان کی زندگی سے متعلق مقامات کو دیکھنے) کی ضرورت کو زیادہ محسوس نہیں کیا، تیسری صدی (عیسوی) سے یقیناً متبرک مقامات کی زیارت ہونے لگی، بہت سے عیسائیوں کو اپنے آقائے نامدار (حضرت عیسیٰؑ) کے بیتابانہ ذوق (حق جوئی) اور دفن کیے جانے کے بعد قبر سے نمودار ہونے سے متعلق مقامات سے کہیں زیادہ دلچسپی رہی ہے، بمقابلہ ان کی تعلیمات نبویؑ کے۔

تیرہویں صدی سے ارض مقدس کے مقابلہ میں روما کی زیارتیں زیادہ بڑھتی گئیں، اگرچہ ارض مقدس کی زیارت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

بیت المقدس کے روما (Rome) ہی وہ شہر تھا جہاں زیادہ سے زیادہ زائرین پہونچتے تھے،

جن اسباب نے پاپائیت کو عروج بخشا انھیں نے روما (Rome) کو ایک زیارت کا مقام بنادیا، بالخصوص سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کی قبروں نے تو اس کو وہ عظمت بخشی کہ یہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا مرجع بن گیا، اور وہ وہاں بکثرت جمع ہونے لگے، (Catacost) جو کہ شہداء کی ہڈیوں کے باعث متبرک مقام بن گیا ہے، زائرین کی خصوصی دلچسپی کا مرکز ہے، زائرین نے روما کی زیارت کبھی ترک نہیں کی، گرجاؤں اور متبرک یادگاروں کی کثرت نے اس کو متواتر ایک خصوصی توجہ کا مرکز رکھا ہے"۔

یہ صرف چند زیارت گاہوں اور متبرک مقامات کا ذکر تھا، نہ صرف فلسطین بلکہ ان تمام جگہوں پر جہاں یہودی اور عیسائی آباد ہیں، ان قبروں، آستانوں اور درگاہوں کی اس قدر کثرت ہے کہ آدمی گھبرا جاتا ہے، اور اس کی طبیعت اکتانے لگتی ہے۔

"حج وزیارت" کے مقالہ نگاروں نے ان تمام درویشوں اور اولیاء کے آستانوں اور قبروں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور یورپ وایشیا میں ایسی جتنی درگاہیں، ان کی پوری فہرست پیش کردی ہے، انھوں نے ان دنوں کا بھی ذکر کیا ہے جو زیارت کے لیے مقرر تھے، نیز ان رسوم و عادات اور طور طریقوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے جو ان تیوہاروں اور متبرک مقامات کے لیے ضروری سمجھے جاتے تھے۔

ان متبرک مقامات اور آستانوں کے ساتھ اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کی اس درجہ وابستگی بلکہ شیفتگی، اس کے لیے طویل سفر کرنے اور ہر طرح مشقت برداشت کرنے کی ان کے اندر تعظیم وتقدیس کی جو مبالغہ آمیز کیفیت پیدا کردی تھی، اور ان کے دل ودماغ اور احساسات وجذبات سب کو اس میں جکڑ لیا تھا، اور ان کو بالآخر شرک اور غیر اللہ کی پرستش تک پہونچا دیا تھا، ان سب چیزوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ کو شدت کے ساتھ بند کرنے کا راز یہی ہے، آپ کو اس کا اندیشہ تھا، کہ کہیں یہ عادت توحید کے علمبرداروں اور دنیا کی اس آخری امت میں بھی سرایت نہ کر جائے جس پر قیامت تک پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کو بھی ہر قسم کے شرک وبدعت اور غلو سے پاک رکھنے کا حکم دیا، اپنے مرض وفات میں آپ کو سب سے زیادہ فکر اسی بات کی تھی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ، وَهُوَ كَذٰلِكَ، لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا [] (جب آپ بیمار ہوئے تو اکثر چادر مبارک کو چہرے پر ڈال لیتے اور جب گھبرانے لگتے تو چہرے سے ہٹا دیتے آپ نے اس حال میں فرمایا اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنادیا آپ امت کو ان کے اعمال سے ڈرا رہے تھے)۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ یہود کو ہلاک کرے، انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا"۔ حضرت عائشہؓ روای ہیں کہ: "ام سلمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیسا کا ذکر کرتے ہوئے جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جس کا نام ماریہ تھا، ان تصویروں کا ذکر کیا جو اس کے اندر تھیں آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں سے اللہ کا کوئی نیک بندہ یا اچھا آدمی مرجاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے تھے، یہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق میں ہیں"۔ [روایت حضرت ابوسعید خدریؓ وحضرت ابوہریرہؓ (مرفوع) صحیح بخاری]

آپؐ سے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ: "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا ہونے لگے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر سخت غصہ ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا دیا"۔ [روایت حضرت ابوسعید خدریؓ (مرفوع) صحیح بخاری]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابر اور آستانوں کی زیارت کے لیے باقاعدہ سفر کرنا اور اہتمام، تیاری اور نیت کے ساتھ متبرک مقامات اور درگاہوں میں حاضری ممنوع قرار دی ہے، مشہور حدیث ہے کہ:

لَا تَشُدُّ الرِّحَالَ إِلَّا إِلىٰ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدٍ، الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدُ الرَّسُوْلِ وَالْمَسْجِدُ الْأَقْصىٰ [صحیح بخاری] (اہتمام وارادہ کے ساتھ باقاعدہ سفر صرف تین مساجد کے لئے جائز ہے، مسجد حرام، مسجد الرسول اور مسجد اقصیٰ)۔

آپ نے اس ذریعہ سے اس امت کو درگاہوں اور قبروں کے اس فتنہ سے محفوظ رکھا جس نے ان کو کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا کردیا تھا۔

لیکن مسلمانوں کی بہت سی جماعتوں نے آپؐ کی اس اہم وصیت پر پوری طرح عمل نہیں کیا جس کو آپؐ نے اپنے مرض وفات میں بھی فراموش نہ فرمایا تھا، وہ بھی ان درگاہوں،

آستانوں اور مزاروں کے فتنہ میں پڑ گئیں، لوگ بہت دور دور سے اور بڑی مشقتیں برداشت کرکے ان مزارات پر جانے لگے ان قبروں کے سامنے تعظیماً جھکنے لگے، منتیں ماننے اور مرادیں مانگنے لگے، اور ان مزاروں کے ساتھ اس قدر شیفتگی اور تعظیم کا مظاہرہ کرنا شروع کیا جو یہود و نصاریٰ کا شعار تھا، اور آپ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوگئی کہ: ”تم اپنے پہلے لوگوں کی پوری پوری اتباع کروگے وہ ایک بالشت چلیں گے تو تم بھی ایک بالشت چلو گے وہ ایک ہاتھ چلیں گے تو تم بھی ایک ہی ہاتھ چلو گے“۔

[حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم اگلے لوگوں کو اتباع کروگے ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھس جائیں گے تو تم بھی اس میں گھس جاؤ گے کہا گیا کہ یارسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کی؟ فرمایا اور کس کی“۔ متفق علیہ]

ان مزاروں اور آستانوں نے (جن میں بہت سے جعلی اور نقلی بھی تھے) نہ صرف مسجدوں کا حق غصب کیا بلکہ بعض اوقات انھوں نے مسجد حرام اور بیت اللہ کی جگہ لینے کی کوشش کی، بہت سے جاہلوں نے ان مزاروں اور درگاہوں کو خانۂ کعبہ کی طرح اہم اور مقدس سمجھ لیا، دور دور سے کھنچ کر وہاں جمع ہونے لگے ان کا عرس ہونے لگا اور ایک میلہ سا لگ گیا۔

ابن تیمیہؒ نے ان جماعتوں کی تصویر ایک مختصر، بلیغ اور تاریخی جملہ میں کھینچ دی ہے، وہ ان لوگوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ”ان کے مزار آباد و معمور، اور مسجدیں خالی اور ویران ہیں“۔ [منہاج السنۃ ج ۱/ص ۱۳۰-۱۳۱]

ایک سیاح جب عالم اسلام کا دورہ کرتا ہے تو اس کو جگہ جگہ ایسے قُبّے، آستانے اور ضریحیں نظر آتی ہیں جن کے ساتھ بڑی بڑی زمین اور جائدادیں وابستہ ہیں اور وہاں مشرکانہ اعمال اور بدعات مثلاً سجدہ تعظیمی، منتیں اور نذریں، چڑھاوے اور قربانیاں وغیرہ بدعتوں کا بازار گرم رہتا ہے، اور صاحب مزار سے اس طرح سوال وجواب کیا جاتا ہے کہ اس کو سن کر اسلام کی پیشانی عرق آلود ہونے لگتی ہے۔

جہاں تک ہندوستان کے مذاہب کا تعلق ہے (جن میں بودھ مت، جینی مذہب اور برہمن ازم (ہندومت) سب شامل ہیں) ان میں ایسے مندروں، معبدوں، استھانوں اور زیارت گاہوں کی بڑی کثرت ہے، جو بعض تاریخی و مذہبی واقعات کی وجہ سے بابرکت سمجھے جاتے ہیں، یا جہاں ان کے رشیوں، منیوں کو الہام معرفت، فیضان یا ان کے الفاظ میں نروان حاصل ہوا، یا ان کے عقیدہ کے مطابق ان کے دیوتاؤں نے وہاں خاص طور پر ”تجلی“ کی (پرکٹ ہوئے) ان مذاہب میں میلوں ٹھیلوں، عرسوں، اور نہان واشنان وغیرہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ مقدس مقامات، یا متبرک مزارات زیادہ تر گنگا کے کنارے واقع ہیں، جہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اشنان کے لیے جمع ہوتے ہیں، بعض نہان سال میں صرف ایک بار، بعض سال میں کئی مرتبہ اور کچھ ہر دو سال کے بعد ہوتے ہیں، بعض نہان اور میلے ایسے ہیں جن کی نوبت کئی کئی سال کے بعد آتی ہے مثلاً کمبھ کا میلہ جو بارہ سال کے بعد آتا ہے، اور جس میں لاکھوں کی تعداد میں زائرین پریاگ میں جمع ہوتے ہیں۔

مذہبی مقامات، گھاٹ مندروں اور معبدوں کی تعداد بہت ہے، اور ان سب کے رسوم و رواج بھی (مذہبی فرقوں کے اختلاف کی وجہ سے) بہت مختلف ہیں۔

یہ میلے دیوی دیوتاؤں کے واقعات اور میتھالوجی اور علم الاصنام کے ساتھ ملوث ہیں، ان کو دیکھ کر قرآن مجید کا اعجاز نظر آتا ہے کہ اس نے تعمیر بیت اللہ کے وقت سب سے پہلے شرک باللہ اور افسانوی روایات پر کاری ضرب لگائی ہے، جس سے دوسری قوموں کے حج وزیارت کے اعمال و رسوم پوری طرح آلودہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ، وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ، حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ [سورۂ حج: ۳۰-۳۱] (یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا، اور اللہ نے حلال کردیئے ہیں تمہارے لئے چوپائے بجز ان کے کہ جو تم کو پڑھ کر سنادیئے گئے سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے، اور بچے رہو جھوٹی بات سے، جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرکے)۔

یہ دنیا کے ان اہم اور مشہور مذاہب میں حج (Pilgrime) کے طریقوں اور روایات ورسوم کی ایک اجمالی تصویر تھی، جن کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں تک پہونچتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حج کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے اپنی کتاب ”حجۃ اللہ

البالغۃ' میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

''حج کی اصل بنیاد ہر ملت میں موجود ہے، ان سب کے لیے ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے طور پر اور اپنے اسلاف کی طرف منسوب قربانیوں اور اعمال و مناسک کی وجہ سے ان کی نظر میں متبرک ہو اس لیے کہ ان سے ان مقربین اور ان کے اعمال کی یاد تازہ ہوتی ہے اور بیت اللہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانیاں پائی جاتی ہیں، اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے جو اکثر اقوام کے روحانی مورث ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک غیر آباد و ویران مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حج کے لیے یہ پہلا گھر تعمیر کیا، اب اگر اس کے علاوہ کہیں اور کچھ ہے تو اس میں شرک، بدعت اور اختراع ضرور شامل ہے جس کی کوئی اصل نہیں''۔ [حجۃ اللہ البالغہ ج ۱/ص ۵۹]

اگر کوئی شخص اسلامی حج کا موازنہ اور تقابل دوسرے مذاہب کے ساتھ کرے گا تو وہ بھی بآسانی اسی نتیجہ تک پہونچے گا اور یہ آیت اس کی زبان پر جاری ہو جائے گی:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ [سورۂ حج: ۶۷] (ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ (ذبح وعبادت کا) مقرر کر رکھا ہے وہ اس پر چلنے والے ہیں، سو انھیں نہ چاہیے کہ آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں)۔

☆☆☆☆☆

جامع دعائیں

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسوا چھوڑ دیتے تھے [ابوداؤد]، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر یہی دعا ہوتی تھی: ''ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار'' (اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا)۔ [بخاری ومسلم]

مصیبت کے وقت کی دعا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنج ومصیبت کے وقت یہ کلمات ادا فرماتے تھے: ''لا اله الا الله العظيم الحليم لا اله الا الله رب العرش العظيم لا اله الا الله رب السموات ورب الأرض ورب العرش الكريم'' (اللہ بزرگ بردبار کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ بڑے عرش کے مالک کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور عزت والے عرش کے مالک کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ [بخاری ومسلم]

بہتر دعا: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طریقوں سے دعائیں کیں، لیکن ہمیں اس میں سے کچھ حصہ یاد نہیں رہا تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپؐ نے بہت دعائیں کیں، مگر ہم کو کچھ بھی یاد نہ رہا، آپؐ نے فرمایا: میں تم کو ایسی دعا نہ بتادوں جو ان سب دعاؤں کی جامع ہو، پھر آپؐ نے فرمایا: کہو! ''اللهم انى أسئلك من خير ما أسالك منه نبيك محمد ونعوذ بك من شر ما استعاذ منه نبيك محمد وأنت المستعان وعليك البلاغ ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم'' (اے اللہ میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، جو تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے مانگی ہیں اور اس چیز کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس سے تیرے نبیؐ نے پناہ مانگی، اور تجھ سے اعانت طلب کی جاتی ہے، اور تو ہی مراد کو پہنچانے والا ہے، اور نہ قوت ہے، نہ طاقت مگر اللہ کی مدد سے)۔ [جامع ترمذی]

ہر چیز سے حفاظت کے لیے دعا: حضرت عبداللہ بن خبیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے اور رات شروع ہونے پر) ''قل هو الله احد'' اور ''معوذتین'' تین بار پڑھ لیا کرو، ہر چیز کے لیے تمہارے لیے کافی ہوں گی [ابوداؤد، ترمذی]

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفع یہ دعا پڑھ لیا کرے تو اس کو نقصان نہیں پہنچے گا، اور کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا ''بسم الله الذى لا يضر مع اسمه شئى فى الارض ولا فى السماء وهو السميع العليم''، اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ [ترمذی]

☆☆☆

نشانِ راہ

یقیں محکم عمل پیہم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمان چونکہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے بندے کہلاتے ہیں اور وہ اس کے دعویدار بھی ہیں، انھوں نے اپنے کو مسلمان سمجھنے اور ماننے کی وجہ سے اپنے اوپر اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی پابندی قبول کر لی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ اسی بنیاد پر ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلیں گے تو ان کی مدد اور نصرت ہوگی اور اگر اس کے حکموں پر نہ چلیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں وہ جانیں اور ان کا کام۔ وہ اگر طاقت وتدبیر میں بڑھے ہوئے ہوں گے تو دنیاوی قاعدہ سے اپنے کمزور پر غالب آئیں گے اور کمزور ہوں گے تو نقصان اٹھائیں گے، مسلمانوں کے برعکس غیر مسلموں نے یہ پابندی نہیں قبول کی، وہ صرف عبادت کی بعض شکلوں کو اور اپنے دل میں کسی کی بھی بندگی کا احساس کر لینے کو کافی سمجھ لیتے ہیں، ان کا جرم اللہ وحدہ کے ساتھ شرک کا اور عقیدہ باطلہ کا ہے جس کی سزا عموماً اس دنیا میں نہیں دی جاتی ہے اور نہ ان کو اس جرم کی بنیاد پر دنیا کے فائدوں سے محروم کیا جاتا ہے، بلکہ مسلمانوں کے برعکس ان کو دنیا کے فائدے اٹھانے کا زیادہ موقع دیا جاتا ہے کیونکہ آخرت میں ان کو کچھ نہیں ملے گا، مسلمان اگر دنیا کے فائدے سے محروم رہتا ہے تو اس کو آخرت میں ملتا ہے۔

لیکن جب مسلمان اس دنیا میں اپنے رب کے احکام صحیح طور پر بجالاتے ہیں تو اللہ کی طرف سے ان کی نصرت اس دنیا میں ہوتی ہے اور اگر انھوں نے تابعداری کے معیار کو پورا کیا تو ان کی خاطر ان کے دشمنوں کو اس دنیا میں سزا بھی دے دی جاتی ہے، مسلمانوں کو اپنے پروردگار کی نصرت و مدد حاصل کرنے کے لیے اپنے کو باعمل بنانا ضروری ہے، باعمل بننے کے بعد پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی، تاریخ اسلامی میں ایسے ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ ایمان وعمل میں کامل لوگوں کی نصرت کی خاطر حقائق تک بدل دیے گئے اور مقررہ اصول میں تبدیلی کر دی گئی اور خدا نے اپنے بندوں کی نصرت کی خدا کی نصرت کا جب فیصلہ ہو جاتا ہے تو حیرت ناک نتیجے سامنے آتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے کہ انھوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی یا نہیں یعنی ایمان وعمل صالح کا جو معیار مقرر ہے وہ ٹھیک رہا ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ جو تدابیر ان کے اختیار میں ہیں وہ پوری کی گئی ہیں یا نہیں، اس سلسلہ میں جنگ بدر و جنگ احد اور دیگر جنگوں سے سبق ملتا ہے، اس سلسلہ میں خاص طور پر غزوۂ خندق کی مثال بہت فکر انگیز ہے جہاں بطور تدبیر اولاً شہر کے ایک سمت ایک وسیع و گہری خندق کھود کر مسلمانوں نے اپنے اور دشمن کے درمیان رکاوٹ قائم کی، پھر خندق کی نسبتاً کمزور جگہوں پر اپنے فوجی دستے لگائے تاکہ اپنے کو مضبوط ومحفوظ بنایا جاسکے اور اس کے ذریعہ دشمنوں کو جو بہت بڑی جمعیت لے کر آئے تھے اور کئی قبائل کی مدد سے بڑی فوج تیار کی تھی، خندق کے دوسری طرف محدود رکھتے ہوئے اس سے نبرد آزمائی کی جائے، اس کے لیے ان کو طویل وعریض خندق کھودنے کی مشقت جھیلنی پڑی پھر شدید جاڑے اور غذا کی قلت کا زمانہ تھا، اس کو جھیلتے ہوئے نہ صرف یہ کہ خندق کھودی، بلکہ تقریباً تئیس روز رات و دن اس خندق کی حفاظت کی اور خندق کے دوسری طرف پڑے ہوئے عظیم لشکر سے نبرد آزمائی کے لیے ہر وقت مستعد و تیار رہے، راتوں میں سخت سردی کھاتے، دن میں عموماً بھوکے رہتے، لیکن اپنے مقصد کار میں کوتاہی نہیں کرتے تھے، بلکہ پہلے دن کے جیسے جذبہ کو قائم رکھتے رہے، وہ اس طول طویل مشقت سے ہمت نہیں ہارے اور نہ تدبیر پر اعتراض کیا کیونکہ وہ خود رائی میں نہیں لڑ رہے تھے، بلکہ اپنے پروردگار کے احکام کی تعمیل کر رہے تھے، اس لیے اپنی پسند اور خواہش اور خود رائی سے بلند ہو کر اپنے جذبۂ جہاد کا ثبوت دے رہے تھے، ان کو حکم ہوا تھا کہ خندق کھودو، اس کے پیچھے سے مقابلہ کرو اور گھر بار چھوڑ کر خندق کے پاس شب و روز رہو اور جو پڑے اس کو جھیلو، ایک ہفتہ گزرا دو گزرے تیسرا بھی گزر گیا، اور سب مشقت جھیلتے ہوئے یقین وقربانی کے جذبہ سے سرشار دشمن کے سامنے جمے رہے، اس طرح انھوں نے ایمان ویقین کے معیار کو بھی ثابت کر دیا اور تدبیر و حکمت عملی کے تقاضہ کو بھی پورا کر دیا، جب انھوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بغیر لڑے کامیابی دے دی، سخت آندھی آئی دشمن کے کیمپ اور خیمے سب اکھڑ گئے اندر کا سامان اڑنے لگا جس نے خوف وہراس سے دشمن کے دل بھر دیے، مزید یہ کہ تین ہفتوں سے زائد کھلے میدان میں جنگ کی مشقت جھیلنے نے دشمن کی برداشت بھی ختم

کردی تھی، لہٰذا وہ سامان چھوڑ کر بری طرح بھاگ کھڑا ہوا اور دیکھتے دیکھتے فتح مبین مسلمانوں کو حاصل ہوگئی اور پھر صرف اس فتح پر ہی بات ختم نہیں ہوئی، بلکہ ان کے قرب وجوار کے مخالفوں کے دلوں میں بھی رعب پیدا ہوگیا، ان میں سے بعض دشمنوں نے خود سے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے بارے میں خود مسلمانوں کا فیصلہ مان لینے کا اعلان کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو ایک صبر آزما اور ایمان ویقین کا امتحان لینے والا واقعہ بتایا ہے، فرمایا کہ دیکھو ہم نے پھر کیسی مدد کی یہ دشمن بھی بھاگا اور دشمن بھی زیر ہوا جس سے مقابلہ کے لیے تم تیار نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر اس طرح فرمایا کہ:

”یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَیْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیحًا وَّ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِیرًا، إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا، هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِیدًا“ [سورۃ الاحزاب] (اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہوا، جبکہ دشمن کی فوجیں تم پر حملہ آور ہوئی تھیں ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسی فوج بھی بھیجی جس کو تم نے دیکھا نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے عمل پر نظر رکھنے والا ہے، دشمن کی فوجیں تم پر چڑھ آئی تھیں اوپر سے نیچے سے اس سے تمہاری حالت ایسی ہوگئی تھی کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اللہ کی مدد آنے کے بارے میں تم کو طرح طرح کے خیالات آنے لگے تھے، واقعی اس وقت ایمان والوں کی سخت آزمائش ہوگئی تھی اور وہ جھنجھوڑ کر رکھ دیے گئے تھے)۔

اس کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مختلف طبائع کے احساسات ومعاملات کا نقشہ کھینچا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ:

”وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِینَ كَفَرُوا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوا خَیْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِینَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِیًّا عَزِیزًا، وَأَنْزَلَ الَّذِینَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَیَاصِیهِمْ وَقَذَفَ فِی قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِیقًا، وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیرًا“ [سورۃ الاحزاب:۲۵-۲۷] (پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو ان کے غصہ کے ساتھ واپس کیا، کچھ بھی بھلائی ان کے ہاتھ نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب ایمان کو جنگ سے بھی بچالیا، اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھی جنھوں نے ان فوجوں کو مدد پہنچائی تھی یعنی اہل کتاب کافروں کو ان کے قلعوں سے نکالا، اور ان کے دلوں میں رعب ودبدبہ ڈال دیا، ان میں سے ایک جماعت کو تم قتل کررہے تھے اور ایک جماعت کو گرفتار کررہے تھے، اور ان کی زمینوں، مکان اور مال ومتاع کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمینوں کا بھی مالک بنا دیا جہاں تم کو فوج لے کر جانا بھی نہیں پڑا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)۔

ہم کو غزوۂ خندق سے کئی سبق ملتے ہیں، ایک تو بہتر سے بہتر تدبیر کا اختیار کرنا اور تدبیر کا انتخاب امیر کی طرف سے ہوجانے پر سب کا بے چوں وچرا اس پر عمل کرنا خواہ پریشانی، تکلیف، بھوک اور تحمل کا کیسا بھی امتحان ہوجائے، اس وقت خندق کھودنے کا عمل جنگ کی بہتر سے بہتر تدبیر تھی، اس وقت تک عربوں نے دشمن کے سامنے روک کھڑی کرنے کی یہ تدبیر سوچی نہیں تھی، یہ ایرانی شہنشاہوں کی حربی تدابیر میں شامل تھا جس کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا، پھر اس کو کھودنے کے لیے سارے مسلمان مزدوروں کی طرح دن رات لگ گئے اور ایک عظیم خندق کھودی جو بظاہر ان کی صلاحیت کار سے بہت زیادہ تھی، پھر سب مل کر اس پر پہرہ دیتے رہے اور ہمہ وقت مقابلہ کے لیے تیار کھڑے رہے، ان کے ایمان ویقین کا زبردست امتحان تھا، دشمن نے اپنی بڑی جمعیت اور قبائلی تنوع کے ساتھ ایک پرہیبت طاقت لا ڈالی تھی جس نے اچھے اچھے لوگوں کے دل دہلا دیے تھے اور خوف وپریشانی کی فضا پیدا کردی تھی جو ایک روز دو روز کی نہ تھی وہ فضا تین ہفتے سے زیادہ تک قائم رہی، اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار ہر روز کرتے اور امید قائم رکھتے، وقت گزرتا رہا اور صبر کا امتحان ہوتا رہا، لیکن ایمان والے تین ہفتہ امید وبیم کی جیسی کیفیت میں قائم وثابت قدم رہے اور ایمان ویقین میں سچے نکلے چنانچہ ان کو بغیر لڑے فتح دے دی گئی ان کو فتح جس طرح عطاء کی گئی اس طرح وہ پہلے دن ہی دی جاسکتی تھی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پہلے دن وہ آندھی بھیج سکتا تھا جس نے بغیر لڑے دشمنوں کے پیرا کھاڑ دیے، پہلے روز نہ سہی دو چار روز بعد بھیج سکتا تھا، لیکن جتنے بڑے درجہ کے ایمان والے تھے اتنا بڑا ان کا امتحان ہوا، ان کو ایمان وتدبیر دونوں کا معیار قائم کرنا پڑا۔

غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے ایمان ویقین کے ثابت ہونے کے ساتھ ان کی قیادت کی طرف سے تدبر وحکمت عملی کا بھی بہتر سے بہتر انتخاب ہوا جس کو دیکھ کر دشمن بھی حیران تھے، انہوں نے اپنی جنگوں میں ایسا نہیں دیکھا تھا، مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ ایک قوت کی کیفیت بنی ہوگی کہ یہ تدبیر تو بہت شاندار ہے اس کو اختیار کرنا اور حکم دینا بہت

مناسب ہے اور اس پر عمل سے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، اگر چہ اس نے بہت طول کھینچا اور صبر کا امتحان ہوا، اس سے قدرے مختلف صورت مسلمانوں کو ایک دوسرے موقع پر پیش آئی، وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان ویقین کا ثبوت دینے کے ساتھ مسلمانوں نے اس بات کا بھی مکمل ثبوت دیا کہ اللہ کا نبی کوئی ایسی بات سوچتا اور طے کرتا ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتی اور جس میں بظاہر سخت بے عزتی کا رنگ پایا جاتا ہے تو چونکہ وہ اللہ کا نبی ہے، ہم کو اس کی بات ہر حال میں ماننا ہے، اس لیے اپنے دل دبا کر وہی کرنا ہے جو اس کی طرف سے کہا جارہا ہے، اور اگر چہ اس تدبیر میں کوئی حکمت عملی اور افادیت نظر نہیں آتی، لیکن اللہ کو جب یہی منظور ہے تو یہی بہتر ہوگا، چنانچہ اصحاب ایمان وہاں بھی کامیاب نکلے اور نبی کی اطاعت جس میں اپنے امیر پر اعتماد کرنے کی کیفیت بھی مضمر تھی، اعلیٰ معیار سے پوری کی پھر انہوں نے فائدہ دیکھ لیا کہ وہ صلح جو بظاہر شکست کے مرادف تھی، کیسی عظیم فتح کا فائدہ دے گئی، اس نے ایک طرف تو غیر معمولی طور پر دعوتی فائدہ پہنچایا کہ دو سال کے اندر اتنے لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے قبل ۱۸/سال کی کوششوں سے اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے، دوسری طرف اس کے نتیجہ میں مکہ جیسا شہر جو مسلمانوں اور کافروں دونوں کی نظر میں پورے عرب کا مرکز اور دل سمجھا جاتا تھا بلا جنگ کے فتح ہو گیا، اس لیے قرآن مجید نے صلح حدیبیہ کو جس کو بادی النظر میں شکست کے مرادف سمجھا جاتا تھا' فتح مبین قرار دیا جس کا تذکرہ اسی سورہ میں ہے جس کا نام بھی سورہ فتح قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	قصص النبیین (اول)	45/-
۲	قصص النبیین (دوم)	40/-
۳	قصص النبیین (سوم)	80/-
۴	قصص النبیین (چہارم)	65/-
۵	قصص النبیین (پنجم)	85/-
۶	القراءۃ الراشدۃ (اول)	75/-
۷	القراءۃ الراشدۃ (دوم)	75/-
۸	القراءۃ الراشدۃ (سوم)	90/-
۹	معلم الانشاء (اول)	85/-
۱۰	معلم الانشاء (دوم)	90/-
۱۱	معلم الانشاء (سوم)	80/-
۱۲	مختارات (اول)	130/-
۱۳	مختارات (دوم)	150/-
۱۴	منثورات	155/-
۱۵	الادب العربی	160/-
۱۶	شرح شذور الذھب	120/-
۱۷	الفقہ المیسر	165/-
۱۸	قطر الندیٰ	100/-
۱۹	سوانح مولانا محمد یوسفؒ	300/-
۲۰	تہذیب الاخلاق	155/-
۲۱	شذیٰ العرف	170/-
۲۲	تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ	95/-
۲۳	مباحث فی علوم القرآن	300/-
۲۴	علم التصریف	80/-
۲۵	تمرین النحو	75/-

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ 9889378176
مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ 8960997707
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ 9415912042
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ 9198621671
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ 9936635816

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر **مجلس صحافت ونشریات**
ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

سنت براہیمی

اے اللہ! یہ قربانی قبول ہو

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

دن بہت سارے بیت گئے تو کیا ہوا، تاریخ کے حافظہ میں تو واقعہ تازہ ہی ہے، زمانہ آپ سمجھئے کہ حضرت مسیحؑ سے بھی اکیس سو ساٹھ سال پیشتر کا تھا یعنی آج سے کوئی ۴/ ہزار ایک سے ۲۴/ سال ہوئے کہ ہمارے دیس ہندوستان سے بہت دور پچھم کی طرف جو ملک عراق ہے اور اسی کا نام کسی زمانہ میں کالڈیا یا کلدانیہ بھی رہ چکا ہے، وہاں ایک شریف اونچے گھرانے میں ایک بزرگ پیدا ہوئے، نام ان کی قوم کی بولی میں ابرام یا ابراہام اور ہمارے آپ کے بول چال میں ابراہیم ملک، تہذیب وتمدن کی ترقیوں میں گل وگلزار بنا ہوا فنون لطیفہ کے ذوق سے ایک ایک دل ودماغ رچا ہوا، لیکن روحانیت کی آنکھیں بند، صدائیں فسق و شرک کی ہر طرف سے بلند، سنگ تراشی کی صنعت کاری بت تراشی کی طرف لائی اور بت تراشی نے راہ بت پرستی کی دکھلائی، سارا ملک ایک بتکدہ بنا ہوا، عقیدت کے مندروں میں ہزار بت جما ہوا، ایسے میں ابراہیمؑ کو پیمبری کا منصب عطا ہوا اور حکم توحید کی منادی کی ملا۔

ملک کے تخت پر جلوہ افروز نمرود نامے ایک شقی، وہ ایک جابر وقاہر، آواز اسکے کان میں پڑی کہ ابراہیم نامے ایک نوجوان قومی دیوتاؤں کو جھٹلاتے ہیں، صدا توحید کی لگاتے ہیں، توہین باپ دادا کے دین کی اور ملک وقوم کے آئین کی، سن کر بادشاہ آگ ہوگیا، حکم ہوا کہ آگ کی بھٹی تیار کرو، اور ایسے باغی طاغی کو اس میں جھونک، فی النار کرو۔

لاؤ لشکر نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی توحید و ایمان کے زندہ جان پتلے کو دہکتے ہوئے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں کے نذر کردیا! آگ پر حکم بادشاہ کا نہ چلا، آگ تابع وفرمانبردار اپنے خالق و پروردگار کی رہی۔ خود جلی، مگر جلا نہ سکی۔ باطن کے نور ایمان کی ٹھنڈک نے ذرا بھی آنچ ظاہر کی آگ کی نہ آنے دی! جو صبر کرتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ وہ شکر کرتا ہوا صحیح وسالم باہر نکل آیا۔

ایسے ایسے اور بھی خدا معلوم کتنے امتحان اس موحد اعظم کے ہوئے۔ ہر امتحان میں سرخ رو رہے اور ہر آزمائش میں سربلند۔ قرآن کی زبان میں لقب اللہ کے خلیل کا پایا۔ اور توریت کے صفحات میں وصف کچھ ایسا ہی آیا۔ شجرۂ نبوت میں نام وہ پایا کہ پیمبروں کی نسل کی نسل کے جدامجد ٹھہرے۔ اسرائیلیوں کے ابوالآبا، اسمٰعیلیوں کے مورث اعلیٰ نبیوں میں سے کسی کے باپ اور کئی کے دادا۔ اور بہتوں کے پردادا۔ اور واللہ اعلم کتنوں کے نگڑ دادا سگڑ دادا۔ خود ہمارے رسول اکرمؐ، فخر آدم بھی آپ ہی کی ذریت میں آپ ہی کے کنبے قبیلے میں۔ پھر آپ کی بڑائی اور سرداری جس طرح مسلمانوں کو تسلیم۔ اسی طرح یہودیوں۔ مسیحیوں کو بھی مسلم دنیا کے تین تین بڑے مذہب آپ کی عظمت کا کلمہ پڑھنے والے۔ آپ کی مقبولیت کی، مرجعیت کی۔ قبول حق کی گواہی دینے والے۔ یہ نصیب دُنیا میں کمتر ہی کسی کے حصہ میں آیا ہے۔

اور ہزار فضیلت کی ایک فضیلت آپ کی یہ کہ یہ جو خانہ کعبہ ہے یعنی اس عالمِ آب وگل میں اللہ کا گھر، یہ تعمیر کیا ہوا آپؑ ہی کے ہاتھوں کا ہے اور اس میں آپ کے شریک رہنے والے آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل تھے۔ یہ صاحبزادہ حضرت ہاجرہ مصر والی کے بطن سے تھے اور مدتوں یہی آپ کے اکلوتے صاحبزادے رہے۔ قرآن مجید نے دونوں کی مقدس معماری کعبہ کا ذکر صیغۂ عطف کے ساتھ کیا ہے۔ اچھا تو یہ صاحبزادے ابھی کھیلنے کودنے کے سن میں تھے۔ یعنی کل ۱۳ برس کے کہ ان کے والد ماجد خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ غیب سے حکم مل رہا ہے کہ اپنی عزیز ترین شے کو اللہ کی راہ میں قربان کردو۔ اٹھے اور سوچے تو متاع دنیوی میں عزیز ترین جنس انہیں اکلوتے صاحبزادہ کی ذات نظر آئی۔ اشارہ خفی کو حکم جلی کے درجہ پر لاکر چٹ تہیہ کر بیٹھے کہ چھری اپنی اسی محبوب ترین ہستی کے حلقوم پر چلا دیجیے۔ پھر خیال آیا کہ اس ارادے کو خود اس معصوم سے تو کہہ دیکھئے اور ذرا اسکا بھی تو دل لیجیے۔ کہا، اور دل پر جو کچھ بھی گزری ہو بہرحال حرف مدعا زبان پر آیا۔ بیٹا بھی کس باپ کا تھا۔ چٹ سے جواب دیا کہ پھر اس میں تامل اور پوچھ پاچھ کیسی؟ ارشاد کی تعمیل بلا تامل فرمائیے۔ اللہ کے فضل وعنایت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ ثابت قدم رہوں گا۔

اللہ اللہ! کیا دل گردہ تھا باپ کا، جو نورنظر لخت جگر کے گلے پر چھری پھیرنے جارہا تھا۔ اور کیا جگر تھا۔ اس کم سن لڑکے کا کھیل کود چھوڑ۔ دنیا کی ہر رنگینی سے منہ موڑا اپنے کو موت کے لیے پیش کررہا تھا۔ اس ظرف اس حوصلہ کی مثالیں چشم فلک نے کبھی کیوں دیکھی ہوں گی......راویوں کا بیان ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنکھوں پر پٹی باندھ۔ چھرا اپنے خیال میں حلق

اسمٰعیل پر پھیر ہی دیا تھا کہ اُدھر ایک مینڈھا غیب سے لاکر اسمٰعیل کی جگہ لٹا دیا گیا! اور اب جو ننانوے سال کی عمر والے پیر محزوں کی آنکھوں سے پٹی ہٹی۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے مینڈھا کٹا ہوا پڑا ہے! اس ظرف اور اس حوصلہ کی مثالیں چشم فلک نے کبھی کیوں دیکھی ہوں گی! اور وہ دن ہے اور آج کی اس بڑی اور بے نظیر قربانی کی یاد منانے کو اس عید قرباں کی بنیاد پڑ گئی۔!

مسلمان کی عیدیں سال میں کل دو ہی تو ہوتی ہیں۔ ایک شوال کی پہلی کو ہو چکی۔ نزول قرآن کی یاد میں۔ اور دوسری عید اس کے دو مہینے دس دن بعد آج ہو رہی ہے۔ اس کا نام عوامی زبان میں عید قرباں ہے اور یہ خلیلؑ وابن خلیل کی اسی تاریخی قربانی کی یادگار میں ہے۔ آج قربانی مسلمانوں کے گھر گھر ہوگی۔ آج مسلمان کہیں بھی ہو۔ چین یا جاپان میں۔ مراقش یا خراسان میں ہند یا پاکستان میں۔ مصر یا ایران میں۔ عرب یا افغانستان میں۔ اگر خوشحالی ہے تو قربانی کے جانور کی فکر وتلاش میں ہوگا۔ قربانی کے لیے شریعت کے منظور کیے ہوئے چند ہی شریف جانور ہیں۔ گائے بیل بکری اور بھیڑ۔ بھینس اور دُنبہ اور اونٹ، شرط یہ ہے کہ یہ تندرست ہوں بے عیب ہوں اور ایک خاص عمر سے کم کے نہ ہوں۔ قصائیوں چکووں۔ جانور فروشوں کی آج بن آئی ہے۔ منہ مانگے دام وصول کر رہے ہیں۔

آج اسلامی سال کے آخری مہینہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے کل نویں تاریخ کو اسلام کے مرکزی وطن کے شہر مکہ میں اور اس کے ارد گرد حج کا دن تھا۔ ساری دنیا سے کلمہ گو اکھٹے ہوئے ہوں گے شمع توحید کے پروانے شمال سے اور جنوب سے مشرق سے اور مغرب سے میدان عرفات میں آکر اترے ہوں گے۔ کیا گورے کیا کالے کیا امیر کیا غریب، کیا اعلا کیا ادنا۔ سب کا فرق اس دن مٹ گیا ہوگا۔ سب کے سب ایک ہی بے سلے لباس میں ملبوس ساتھ ساتھ کعبہ کے چکر کاٹ کاٹ کر آج ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہوں گے اور سب کی زبانوں پر ایک ہی مستانہ ترانہ رواں ہوگا: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

اے ان دیکھے محبوب تیرے شوق دیدار میں ہم سب حاضر ہیں! اے ان دیکھے اور اکیلے مولا تیرے حضوری میں ہم سب تیرے در پر حاضر ہیں۔

اس تقریب مبارک وسعید کی خوشی میں جشن سارے عالم اسلام میں منایا جارہا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کی دسویں رات لطف وانبساط ومسرت اور برکت وسعادت میں شوال کی پہلی رات ہی کی عید ہوتی ہے۔ کوئی کوئی اللہ کے بندے یہ رات عبادتوں میں گزار دیتے ہیں۔ اور زیادہ تر لوگ کل کے جشن کی تیاریوں میں۔ دس کی صبح بھی ابھی پوری طرح نہیں ہونے پائی کہ لڑکوں کی جاگ شروع ہوگئی۔ بڑے بڑے بے نمازی بھی آج نماز پڑھنے کی توفیق پا جاتے ہیں اور صبح ہی صبح نہا دھو۔ اُجلے کپڑے پہن پہنا مسجد یا عید گاہ کی راہ لیتے ہیں۔ جائیں گے۔ تکبیر بلند آواز سے پڑھتے ہوئے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا ورد کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ ایک راستہ سے جاتے ہیں، دوسرے سے واپس آتے ہیں۔ مسجدوں عید گاہوں میں میلے کا سماں نمازیوں، تماشائیوں، دکانداروں سودے والوں۔ فقیروں کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ نمازیں روز پانچ فرض تھیں۔ آج ایک نماز اور اسی عید الاضحیٰ کی واجب ہوگی۔ اس کا وقت آفتاب نکلنے سے لے کر دوپہر تک رہتا ہے۔ ادھر ہر نماز فرض کے بعد تکبیر آواز سے کہنا تو ۹/ تاریخ کی فجر سے شروع ہو کر ۱۳/ تاریخ کے وقت عصر تک جاری رہتا ہے اور تکبیر کے الفاظ آپ ابھی سن ہی چکے ہیں۔ عید کی نماز کل دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ البتہ ہر رکعت میں تین تین بار اللہ اکبر اور زیادہ کہا جاتا ہے۔ توحید کی یادگار میں اللہ کی کبریائی کا اعلان جتنی بار بھی کیا جائے۔ ٹھیک ہی ہے پہلے نماز ہوتی ہے اس کے بعد خطبے میں قربانی کے مسائل سنائے جاتے ہیں اور مسائل کے ساتھ فضائل بھی۔ قربانی کا وقت بعد نماز عید شروع ہو جاتا ہے اور ۱۲/ تاریخ کی شام تک رہتا ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں۔ دھوم دھام سے دیگیں کھنکتی ہیں۔ حصے تقسیم ہوتے ہیں۔ پلاؤ، بریانی، قورمہ، قلیہ، دوپیازہ، کلیجی، گردے، شامی کباب، سیخ کے کباب کی خوشبوئیں۔ ذائقہ سے پہلے شامہ کی دعوت کر دیتی ہیں۔ غریب غربا بہت سے ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں سال میں یہ تین دن گوشت کھانے کے مل جاتے ہیں۔ دستور سنہ شمسی عیسوی کے حساب سے چار ہزار ۲۵ سال سے چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ جب تک مسلمان زندہ ہیں قائم رہے گا۔

ذبح کے وقت جن دعاؤں کا معمول ہے۔ ان کے علاوہ قربانی کرنے والا یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ اے اللہ یہ قربانی قبول ہو۔ میری طرف سے یا فلاں کی طرف سے۔ جیسی قربانی تو نے قبول کی تھی اپنے خلیل ابراہیم سے۔ بے شمار دعائیں جو ابراہیم الذی وفی کے حق میں زبانوں پر صدیوں سے چلی آرہی ہیں۔ ان کا شمار بھلا کسی کے بس کی بات ہے! اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

☆☆☆☆☆

پیامِ عید قرباں

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

کامیابی کی مختلف شکلیں

ہزاروں سال پہلے جب دنیا تہذیب وتمدن کے لفظ سے بھی نا آشنا تھی اور زندگی گزارنے کے آداب اور طور طریقے انسانوں کی دسترس سے باہر تھے، اس وقت بھی اس دنیا میں زندگی کو کامیابی اور خوشحالی سے ہمکنار کرنے کا جذبہ موجود تھا، اس جذبہ کو بروئے کار لانے کے لیے انسانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق کوششیں کیں، کسی نے دوسروں کو خوش کر کے اپنے اس جذبہ کو تسکین دی، کسی نے دوسروں پر اعتماد کر کے کامیابی حاصل کی، اور کسی نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو کامیاب اور خوشحالی کا حقدار قرار دیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی جنھوں نے کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ پر اعتماد کیا اور اپنی ذاتی کوشش وطاقت کی بنیاد پر کامیاب انسان بنے، انھوں نے اس راہ میں کبھی اپنا قیمتی وقت لگایا، کبھی اپنے مال ومتاع کو صرف کیا کبھی اپنی خواہشات کو قربان کیا، اور کبھی اپنی محبوب اولاد اور اپنی عزیز جان کو اس راہ میں پیش کر دیا، اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

حضرت ابراھیم کی قربانی

اسی طرح کا ایک واقعہ آج سے تقریباً تین ہزار آٹھ سو سال پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آیا، انھوں نے اپنے پروردگار سے تعلق قائم کیا تو اپنے ماحول سے، اپنے گھر بار اور اپنے ماں باپ سے منہ موڑ کر وہ اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگ گئے، اور سب سے الگ ہو کر اپنی راہ الگ بنالی، وہ ہر قیمت پر اپنی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے، وہ زمانہ کی رو سے ہٹ کر ایسا راستہ اختیار کر رہے تھے جو قربانیوں کا راستہ تھا جہاں کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے ماحول وخاندان اور مال ودولت سے لے کر اولاد تک قربان کر دینے میں کوئی تردد نہیں ہوتا، انھوں نے ماحول سے بغاوت کا اعلان کیا اور حق کی راہ میں ہر طرح کی آزمائش کے لیے تیار ہوئے، وہ اپنے ارادہ میں اتنے پختہ تھے کہ ان کی قوم نے ان کو آگ میں ڈالا تا کہ وہ اس عقیدہ کو چھوڑ دیں، انھوں نے آگ میں جل کر مقصد پر قربان ہو جانا قبول کر لیا اور اپنی قوم کی راہ پر واپس جانا منظور نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ کا الاؤ ان کے لئے گل وگلزار بن گیا اور ان کو سزا دینے والی قوم اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی، شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

پھر حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کا لقب عطا فرمایا اور اس لقب کو مزید پختہ کرنے اور ان کے عقیدۂ محبت کو زیادہ سے زیادہ استوار کرنے کی خاطر خواب میں ان کو حکم دیا کہ تم اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو خدا کی راہ میں قربان کر دو، خلیل اللہ نے اپنے فرزند کو خوشخبری دی کہ تم کو خدا کی راہ میں قربان ہونا ہے، اور وہ ان کو لے کر ایک سنسان مقام کی طرف روانہ ہوئے تا کہ محبت کی قربان گاہ پر ان کو بھینٹ چڑھا دیں۔

حضرت ابراہیمؑ محبت کے امتحان میں کامیاب ہوئے، آزمائش نے ان کو کامیابی کی مبارک باد دی اور قربانی کی چھری بچے کے گلے پر چلنے کے بجائے دنبے کی گردن پر چلی، بلکہ درحقیقت خواہشات نفس کی گردن پر، باطل اور ظالم ماحول کی گردن پر، غیر اللہ کی محبت پر چلی، شیطان رسوا ہوا اور ایمان کی جیت ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ ادا ان کے رب کو اتنی پسند آئی کہ سنت ابراہیمی کے نام سے اس کو زندہ جاوید بنا دیا، اور سال میں ایک مرتبہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو اس سنت کی یادگار منانے کے لیے جانوروں کی قربانی واجب قرار دیدی گئی۔

یہی وہ قربانی ہے جو عید الاضحیٰ کے دنوں میں پوری دنیا میں کی جاتی ہے اور اسی بنا پر اس عید کو ہم عید قرباں کے نام سے یاد کرتے ہیں، قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی ہے:

"فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ، قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ، إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ، إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ، سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ".

[الصفت ۱۰۲-۱۰۱] (جب وہ دونوں (ابراہیم واسماعیل علیہما السلام) اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا (تا کہ گردن پر چھری چلادیں) اور اسی وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، اور ہم اسی طرح اپنے وفادار اور سچے بندوں کو بدلہ دیتے ہیں، تم اچھی طرح جان لو کہ یہ ایک بڑی آزمائش ہے، پھر ہم نے ان کو ایک قربانی فراہم کردی (دنبے کے ذریعہ) اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھا، سلامتی ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں)۔

ابراہیمؑ کا زمانہ دراصل مادیت کے عروج کا دور تھا، لوگ اس وقت سوائے مادیت کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہیں تھے، اس پر تقدس اور عقیدت کا ایسا رنگ چڑھ چکا کہ اس نے خدا کا درجہ حاصل کرلیا تھا، اور خدا کا تصور دلوں سے نکل چکا تھا، جو کچھ دنیا میں ہو رہا تھا وہ سب انسانی طاقت اور مادیت کا کرشمہ سمجھا جاتا تھا، ہر طرف نفس پرستی کا چرچہ تھا، اور انسان اپنے مقام سے بہت نیچے گر چکا تھا، وہ اخلاق کی دولت سے محروم اور ایمان کی نعمت سے نا آشنا تھا، ایسے سنگین ماحول میں ابراہیمؑ نے انقلاب کا نعرہ بلند کیا، نفس پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک خدا کے سامنے جھکنے، اس کی عبادت کرنے اور اس کے لیے جینے اور مرنے کی دعوت دی اور اعلان کیا کہ: "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ "[الانعام] (میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اسی خدا کے لیے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کا مجھ کو حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں)۔

حضرت ابراهیم کی زندگی میں قربانیوں کا تسلسل

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے لیکن جو قربانی سنت ابراہیمی کے طور پر عیدالاضحیٰ کے دنوں میں انجام پاتی ہے، وہ اصل میں رمز ہے اس بات کا کہ انسان اپنے خدا کے سامنے ایک تابعدار بندہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کی ہر چیز حتیٰ کہ اس کی جان اس کا مال اس کی اولاد بھی خدا کی ملکیت ہے وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے اور جب بندہ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوجائے کہ اصل اطاعت اسی وقت متحقق ہوسکتی ہے جب انسان اپنی زندگی کے سارے معاملات اور ذرہ ذرہ کو خدا کی اطاعت و بندگی کے حوالے کردے اور ہر حال میں شکرگزار بن کر رہے، اس وقت وہ ایک مثالی انسان قرار پاتا ہے اور اپنے ماحول کے لیے نمونہ بنتا ہے۔

قربانی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم عیدالاضحیٰ کے موقع پر کوئی جانور ذبح کر کے یہ سمجھ بیٹھیں کہ کام پورا ہوگیا بلکہ قربانی دراصل نام ہے اللہ کے حکم کی بجا آوری، اس کے نبی کی سنت سمجھ کر صدق دل اور رضائے الٰہی کی نیت سے خون کا تحفہ پیش کرنا، خود قرآن میں قربانی کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ: "لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ" [سورہ حج: ۳۷] (اللہ کو قربانی کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف اور لحاظ پیدا ہو)۔

بہت سے لوگ قربانی کے بارے میں غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جانور ذبح کرلینا ہی اصل مقصود ہے اور اس کے بغیر عید کی خوشی مکمل نہیں ہوسکتی، کچھ لوگ عید کی خوشی سے زیادہ قربانی کے گوشت سے خوش ہوتے ہیں، ان کے نزدیک عید کے لوازمات میں بندگی اور اخلاص کا اظہار داخل ہی نہیں ہے، وہ صرف نئے کپڑے پہننے عمدہ کھانے سیر و تفریح میں وقت گزارنے ہی کو اصل عید کی خوشی سمجھتے ہیں، حالانکہ قربانی کا صحیح مفہوم اگر ان کے ذہنوں میں ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ اظہار بندگی اور خاکساری کو خدمت خلق اور دوسروں کو خوش کرنے غریبوں کی مدد کرنے اور حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کو قربانی کے مرادف تصور کریں۔

انسانی زندگی مسلسل قربانیوں کا مجموعہ

قربانی ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی زندگی مسلسل کاوشوں کا نام ہے، مسلسل جد و جہد اور پیہم نشاط و حرکت کا نام ہے، مقصد جتنا عظیم الشان ہوگا قربانی بھی اسی قدر بڑی ہوگی، اور جد و جہد کا سائز بھی اسی کے مطابق ہوگا، جو لوگ مقصدیت کی روح سے معمور ہوتے ہیں وہ قربانی کے جذبہ سے بھی بھرپور ہوتے ہیں، جن قوموں نے دنیا کی تاریخ میں شاندار اضافے کیے ان کی تاریخ قربانی کے بڑے بڑے واقعات سے معمور ہے اور ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔

کسی بھی فاتح قوم کو لیجیے اور اس کے افراد کی زندگیوں کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے اولوالعزم تھے، کتنے مخلص تھے اور اطاعت و قربانی کا جذبہ ان کے اندر کس طرح رچا بسا ہوا تھا اسی لیے ان کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے اور ان کے کارنامے نہایت حیرت انگیز ثابت ہوئے، شاعر نے انہیں کے بارے میں کہا ہے:

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

قربانی کا مفہوم اگر مقصد کی راہ میں قربان ہونے اور بڑے مقصد کے حصول کے لیے محبوب سے محبوب ترین چیز کو خرچ کردینے کا نام ہے، تو مفہوم نیت کی سچائی اور ارادہ کی پختگی اور جد و جہد میں اخلاص و دیانتداری سے حاصل ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہم اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو ان خوبیوں سے مزین کریں اور پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرکے ان کو ختم کرنے کا عہد کریں اور قربانی کے سچے جذبہ سے اپنے دلوں کو معمور کریں تاکہ زندگی میں خوشی اور امن و عافیت کی فضا پیدا ہو، اور عزت و عظمت کی بلندی تک پہونچ کر دنیا میں زندہ قوموں کی طرح زندہ رہنے کا حق حاصل کرسکیں۔

☆☆☆☆☆

محبت فاتح عالم

اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم!

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صرف مسلمانوں کے ایمان ہی کا مرکز نہیں ہیں؛ بلکہ مسلمانوں کی محبت اور تعظیم و توقیر کا بھی مرجع ہیں، اگر کسی مسلمان کے ماں باپ کو گالی دے دی جائے تو اس کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا عشر عشیر بھی زخمی نہیں ہوتا، مسلمان دینی اعتبار سے کس قدر بھی گیا گزرا ہو، بے نمازی ہو، شراب نوشی اور سود خوری میں مبتلا ہو اور کوئی بڑا سے بڑا گناہ کرتا ہو، غیرت ایمانی اس کو ان بڑے بڑے گناہوں سے روک نہیں پائی، تب بھی حضور کی شان میں گستاخی اس کو تڑپا دیتی ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی عزیز ترین جان، اپنے محترم ماں باپ اور اپنی متاع زندگی اولاد کو قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اس محبت و عظمت کی مذاہب کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسی علیہ السلام کو رو در رو کہہ دیا تھا کہ تم جاؤ، تمہارے رب جائیں اور دشمن سے مقابلہ کریں، ہم تو اس میں شریک نہیں ہو سکتے: ''اذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون'' [المائدہ] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بائبل کے بیان اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق سرِ عام پھانسی دے دی گئی؛ لیکن امت عیسوی کا کوئی فرد اُن کو بچانے کے لیے آگے نہیں بڑھا؛ مگر امت محمدیہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے۔

اس محبت کا منظر دیکھنا ہو تو آیئے اصحاب رسول کی مجلس میں، یہ حضرت سعد ابن ربیعؓ ہیں، زخم سے چور ہیں، ایک دو نہیں بارہ بارہ تیر نے جسم کو چھلنی کر دیا ہے، اسی حالت میں میدان اُحد کے کسی کونے میں پڑے ہوئے ہیں، نظر پڑی حضرت ابی ابن کعبؓ پر، زندگی کی اس آخری سانس میں اپنے بیوی بچوں کے لیے کوئی پیغام نہیں دیا؛ بلکہ فرمایا: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنا تو میرا سلام پہنچانا اور میری کیفیت بتا دینا، اور ہاں، میری قوم سے کہہ دینا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان چلی جائے اور قوم کا ایک فرد بھی زندہ بچا ہوا ہو تو اللہ کے سامنے کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی: وأخبر قومك أنه لا عذر لهم عند الله إن قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم وواحد منهم حيّ. [موطا مالک]

لوگوں کی بھیڑ جمع ہے، اس میں چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی، تیاری ہے حضرت زید بن دثنہؓ کے قتل کی، غزوۂ بدر کے بعض قریش مہلوکین کا بدلہ لینے کے لیے قتل کی تیاری میں ہیں، اتنے میں ایک پوچھنے والے نے پوچھا: اے زید! میں تم کو اللہ کا حوالہ دیتا ہوں، کیا تم کو اس وقت یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم ابھی اپنے گھر والوں کے درمیان ہوتے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ میرے پاس ہوتے، اور ہم ان کا سر قلم کر دیتے، حضرت زیدؓ نے بلا تامل اور برجستہ فرمایا: ''ہر گز نہیں، خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کانٹا چبھ جائے، جس سے ان کو تکلیف ہو، اور میں اپنے اہل وعیال کے درمیان بیٹھا رہوں''، ابو سفیان اس مجمع میں موجود تھے جو اہل مکہ کے قائد تھے اور اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، وہ کہنے لگے: خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء آپ سے جس قدر محبت کرتے ہیں، میں نے کسی قوم کو کسی سے اس درجہ محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا: ما رأيت من الناس أحداً يحب كحب أصحاب محمد محمداً صلى الله عليه وسلم. [طبقات ابن سعد: ج ۲/ص ۶۵]

قبیلۂ بنو دینار کی ایک خاتون غزوۂ احد میں بڑی مصیبت سے گزریں، یکے بعد دیگرے ان کے شوہر، ان کے بھائی اور ان کے والد کی شہادت کی اطلاع دی گئی، وہ إنا لله پڑھتیں، اس صدمہ پر جو فطری غم ہوتا ہے، اس کا اظہار کرتیں؛ لیکن دریافت کرتیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگ کہتے: اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری چاہت اور خواہش کے مطابق وہ بخیر ہیں، کہنے لگیں: مجھے ایک نظر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو دکھا دو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے انہیں دکھایا گیا تو بے ساختہ بول اٹھیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے: كل مصيبة بعدك جلل يا رسول الله [سیرت ابن کثیر: ج ۳/ص ۳۹]

اسی غزوۂ احد میں ایک خاتون اپنے بیٹے، والد،

شوہر اور بھائی کے ساتھ پہنچیں، ایک ایک کر کے یہ سب شہید کر دیے گئے، جب لاشوں کو دیکھنے آئیں اور پوچھنے لگیں کہ یہ کون ہیں تو انہیں بتایا گیا، یہ تمہارے والد ہیں، یہ تمہارے بھائی ہیں، یہ تمہارے شوہر ہیں اور یہ تمہارے بیٹے ہیں، کہنے لگیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے ان کو آگے پہنچایا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انھوں نے بے تابانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو تھام لیا اور کہنے لگیں: اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں[المعجم الاوسط: ج۷/۸۰/ ۲، حدیث نمبر: ۷۴۹۹) ہوسکتا ہے یہ دو الگ الگ واقعات ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ ہو جس کو دو راویوں نے الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نقل کیا ہو۔

اللہ کی طرف سے صحابۂ کرامؓ کے سینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت سے معمور کر دیا گیا تھا، وہ کہتے تھے کہ میرا سب کچھ آپ پر قربان، اور یہ صرف الفاظ نہیں تھے؛ بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس جذبہ کا عکاس تھا، یہ محبت صحابہ سے امت کو میراث میں ملی ہے، واقعی ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اپنے وجود سے بڑھ کر محبت کرتا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ جو بات فرمائی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بڑھ کر نہ ہو، اس میں تامل ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اولاد کی محبت بڑھی ہوئی ہو، حضرت تھانویؒ نے ان سے پوچھا بتاؤ: اگر تمہارا بیٹا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو تم کیا کروگے، وہ برجستہ کہنے لگے: میں تو اسے قتل کر دوں گا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا: یہی ہے اولاد کی محبت سے بڑھی ہوئی محبت، ابھی جھارکھنڈ کے صدر مقام رانچی کی ایک خاتون کے اکلوتے بیٹے مدثر کو گستاخِ رسول کے خلاف ہونے والے احتجاج میں شہید کر دیا گیا اور اس کی زبان سے آخری لفظ نکلا ''اسلام زندہ باد'' پھر جو بات پیش آئی اس نے صحابہ کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی، جب اس کی بوڑھی کم پڑھی لکھی ماں سے میڈیا کے نمائندہ نے ملاقات کی تو اس مومن خاتون نے کہا: ''مجھے اپنے شہید بیٹے پر فخر ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی جان قربان کر دی ہے اور اسلام زندہ باد کہتے ہوئے دنیا سے گیا ہے، اسلام کل بھی زندہ باد تھا، آج بھی زندہ باد ہے اور کل بھی زندہ باد رہے گا'' اس خاتون کا بیان سن کر میری آنکھیں واقعی نم ہو گئیں، میرے دل نے کہا کہ جس امت میں ایسی صاحب ایمان اور بلند ہمت مائیں ہوں گی، وہ امت کبھی بزدل اور کم حوصلہ نہیں ہوسکتی، وہ سمندر میں تیر کر اور آگ کے شعلوں پر چل کر گزر جائے گی؛ لیکن اپنے ایمان کو ڈوبنے اور جلنے نہیں دے گی۔

اس وقت ضرورت ہے کہ پوری قوت اور استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا جائے، مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند رکھا جائے، ان کو بزدل اور کم ہمت ہونے سے بچایا جائے، ان کے اندر عزم وحوصلہ پیدا کیا جائے، ان کے ذہن میں یہ بات راسخ کی جائے کہ مومن اپنا آخری قطرۂ لہو نچھاور کر سکتا ہے؛ لیکن ظلم وجور اور کفر وشرک کے آگے سرنگوں نہیں ہوسکتا، مسلمان وہ نہیں ہے جو پھولوں کی سیج پر چلتے ہوئے تو اللہ کا نام لے اور جب اسے کانٹوں پر گزارا جائے تو وہ اللہ کو بھول جائے، جو طرب ونشاط کے ماحول میں تو اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرے؛ لیکن ظلم وجور کے سائے میں اپنے دین کا نام لینے سے گھبرا جائے اور مذاق اڑانے والوں کے درمیان دینی نسبت پر شرمسار ہونے لگے۔

اس ملک میں برطانوی اقتدار کے دور میں بھی اور اس کے بعد بھی مسلمان بہت سی آزمائشوں سے گزرے ہیں، انسانی خون اتنی مقدار میں بہایا گیا ہے کہ اگر ان سب کو کسی دریا میں بہا دیا جاتا تو شاید پانی کا رنگ بدل جاتا؛ لیکن ان سب کے باوجود ہمارے بزرگوں نے صبر اور ثابت قدمی کا راستہ اختیار کیا، انھوں نے مال وزر سے ہاتھ دھونا گوارہ کیا، عزت وعصمت کی پامالی کا زخم بھی سہا، خون میں لت پت اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی لاشوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا اور خود اپنی زندگی کی قربانی دی؛ لیکن جس دین کو انھوں نے سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا، یا اُن کے آباواجداد نے قبول کیا تھا اور انہیں اپنے بزرگوں سے یہ میراث ملی تھی، انھوں نے اسے اپنے سینے سے لگائے رکھا، اسی راہ پر ہمیں چلنا ہے اور یہی ہماری منزل ہے کہ اسلام کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہمیں اپنی جان اور اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز ہے!!!

☆☆☆☆☆

عصر حاضر

ظلم کا مزاج ملک و معاشرہ کے لیے خطرناک

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

جب کسی قوم کا مزاج ظلم کا بن جاتا ہے تو وہ قوم بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتی، اسی طرح حکومتیں بھی ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتیں، کسی بھی ملک یا معاشرہ کے لیے یہ انتہائی خطرناک مرض ہے کہ ظلم اس کا مزاج بن جائے۔

ہندوستان کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگ یہاں رہے ہیں اور سب کو یہاں پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل ہوئے، مذہب اور ذات کے نام پر یہاں کبھی شدت نہیں اختیار کی گئی، مسلمانوں نے یہاں تقریباً سات سو سال حکومت کی، مگر سب کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل رہی، مذہب کے نام پر کبھی ظلم نہیں کیا گیا، البتہ جہاں بھی کوئی اقدام ہوا وہ حکومت کے ساتھ غداری کی بنا پر ہوا، کبھی مذہب کے نام پر کسی کو تہ تیغ نہیں کیا گیا، بلکہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے پیشوا نے ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی، اور جہاں کہیں بھی اس کے کسی اقدام کا تذکرہ ملتا ہے وہ صرف اس بنا پر کہ حکومت کے خلاف سازش ہوئی یا بغاوت کی کوشش کی گئی، تو اس کے لیے سخت قدم اٹھائے گئے، حالانکہ وہ بادشاہت کا زمانہ تھا اور بادشاہ کو سارے اختیارات ہوتے تھے کہ وہ جو چاہتا کرتا، اس کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔

عجیب بات ہے کہ آج کے جمہوری ہندوستان میں وہ باتیں سامنے آرہی ہیں جو اس وقت کے شاہی نظام میں نہ تھیں، قانون اور عدلیہ کے ساتھ جس طرح برسر عام کھلواڑ ہونے لگا ہے، پہلے اس کا کوئی تصور ہی نہ تھا، میڈیا نے اپنی شناخت بالکل کھودی ہے اور بالکل یہ شعر صادق آرہا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جارہی ہے، لیکن حقیقت بدلی نہیں جاسکتی، ایک طبقہ ہے جس نے ہر طرح ملک کو برباد کرنے کی ٹھان لی ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلے گا وہ طبقہ شاید اس بھول میں ہے کہ کشتی ڈوبے گی تو وہ اپنے آپ کو بچالے گا، وہ شاید نہیں جانتا کہ اگر غیر یقینی صورت حال پیدا ہوگی تو زندگی دوبھر ہوجائے گی، ملک کا وہ طبقہ جو دبا اور کچلا ہوا ہے، اس کو اور دبانے کی کوششیں جاری ہیں، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کہا جاتا ہے "تنگ آمد بجنگ آمد" گھر میں ایک لڑکا بگڑ جائے تو بعض مرتبہ پورے گھر کی نیند ہی حرام ہوجاتی ہے، اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے، اور سچائی اور حقیقت پسندی کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، کسی چیز کے چھپانے سے وہ چیز تھوڑی دیر کے لیے چھپ تو سکتی ہے مگر ختم نہیں ہوسکتی، پانی جب سر سے اونچا ہوجاتا ہے تو حالات سنبھالے نہیں سنبھلتے۔

اس وقت بڑی ضرورت ہے ملک کے بہی خواہوں کے آگے آنے کی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی پوری امانت داری اور خلوص کے ساتھ، سماج میں جو ظلم کا مزاج پیدا کیا جارہا ہے وہ ایک ناسور ہے، اگر یہ بڑھتا گیا تو طوائف الملوکی پیدا ہوجائے گی، پھر حالات سنبھالے نہ سنبھلیں گے، اندر گھس کر حقیقت شناسی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

صرف میڈیا کی خبروں پر اگر فیصلے ہوتے تو خیر نہیں، ضرورت ہے اندر گھس کر حقائق کو جاننے کی:

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کہ دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

سرد و گرم کو جاننے کی ضرورت ہے، نتائج فکر تک پہنچنے کی ضرورت ہے، پانی کہاں سے مر رہا ہے اگر وہ منافذ بند نہ کیے گئے تو پھر اس عمارت کا خدا ہی حافظ ہے۔

☆☆☆☆☆

نقوش تاباں

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مثالی کردار

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنی عظیم کتاب قرآن پاک کو نازل فرمایا اور جس عظیم شخصیت پر قرآن پاک کو اتارا وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اس پیغام الٰہی کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے اللہ کے بندوں تک پہنچا دیا اور اس آسمانی کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہے، اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہے، انسانوں ہی کی رہنمائی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیات کی تشریح فرمائی اور اپنے الفاظ میں اس کی تفسیر کی، جس کو ہم حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مختلف ارشادات وہدایات کے چشمہ صافی سے امت مسلمہ کو سیراب کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان ارشادات کو محفوظ کرلیا اور اتنی احتیاط اور اہتمام سے کام لیا کہ کہیں کچھ شبہ ہوا تو اس کی بھی وضاحت فرمادی کہ: ''یہ فرمایا یا یہ فرمایا'' مفہوم تو مفہوم الفاظ بھی محفوظ کرلیے اور حدیث شریف کے اخذ کرنے میں بھی آخری درجہ کی احتیاط سے کام لیا، جب تک راوی کے متعلق مکمل اطمینان اور اعتماد نہ ہوجاتا اس وقت تک کسی حدیث کو سن کر دوسروں سے بیان نہ کرتے، یہ صحابہؓ کی ایسی عظیم خدمت ہے، جس کی نظیر قیامت تک نہیں پیش کی جاسکتی، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمادیا تھا کہ: من كذب علي متعمّداً فليتبوأ مقعده من النار میری طرف سے کوئی بھی شخص جھوٹی حدیث بیان نہ کرے جو ایسا کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

صحابہ کرامؓ کی اس پاکیزہ جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر گوشہ محفوظ کرلیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات، معاملات، اخلاق وعادات، معاشرت، رہن سہن، کھانے پینے کا طریقہ، چلنے پھرنے حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے خدوخال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال کی تعداد کتنی تھی یہ ایسا غیر معمولی کارنامہ ہے کہ ہر شخص سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ کا کس حد تک عشق ومحبت کا تعلق تھا اور کس طرح آپ کی جماعت کا ہر فرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھا، اسی جذبہ فدائیت ومحبت اور تعلق کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی جماعت کو ایسی مقدس جماعت بنادیا اور اس مقام بلند پر فائز کردیا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں میں کوئی بھی اس مقام کو حاصل نہیں کرسکتا اور اس مقدس جماعت کو " رضی اللہ عنهم و رضوا عنه" کا تمغۂ امتیاز عطا فرمایا۔

ترتیب: محمد سلمان خان ندوی بجنوری

☆☆☆☆☆

یاد رفتگاں

راہِ حق کا مسافر

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی مرحوم

مولانا سید محمد غفران ندوی

ہمارے ندوی حلقہ میں ایک معروف ومشہور شخصیت ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی مرحوم کا انتقال چند ماہ قبل ۶/دسمبر ۲۰۲۱ء کو ہوا، وابستگان ندوۃ العلماء نے مرحوم کی خبر وفات بہت ہی غم واندوہ کے ساتھ سنی، انتقال کے وقت مرحوم کی عمر ۸۸/سال تھی، پیرانہ سالی کی وجہ سے اگرچہ جسمانی معذوریاں بہت تھیں مگر دماغ صحیح طور پر کام کر رہا تھا، دینی غیرت وحمیت مرحوم کا مزاجی خاصہ تھا، اظہارِ حق میں ذرا بھی تکلّف نہیں کرتے تھے، زندگی انتہائی سادہ، علمی، ادبی، دینی کوئی بھی موضوع ہو حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہی، نام ونمود، شہرت کے کبھی خواہاں نہیں رہے، جفاکشی اور محنت کی زندگی گزاری، قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے مرحوم کی ایک تحریر جو ''حیاتی'' کے عنوان سے انھوں نے لکھی تھی نقل کر رہا ہوں:

''میں اگست ۱۹۳۳ء کو پورہ رضا خاں ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوا، پرے پریٹری (Preparatory) تعلیم پورائیں، پرائمری نیز مڈل تک تعلیم ردولی میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ذہن سے نوازا تھا، ہر درجہ میں مانیٹر رہا اور ممتاز طلباء میں رہا، والد صاحب کو نوکری سے چڑھ تھی، کھیت کے کاموں میں لگا دیا۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک کھیت کا پُر مشقت کام کیا، صحت اچھی تھی، شہرت یہ ہوئی کہ میں دو آدمیوں کے برابر کام کرتا ہوں ....

۱۹۵۱ء میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو میری محنتوں میں اور اضافہ ہوا، غلّہ کی تجارت بھی کی، گاڑی بانی بھی خوب کی، زید پور سے فیض آباد تک بیل گاڑی سے غلّہ کی تجارت کرتا، یہ تجارتی کام زراعتی کام سے فارغ ہونے پر کرتا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں بارش کے سبب میری فصل ربیع دوبار تباہ ہوئی تو ملازمت کا رُخ کیا''۔

ڈاکٹر ہارون رشید مرحوم کی روداد زندگی بلکہ آپ بیتی پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم روز اوّل سے حق کی تلاش میں تھے، ڈاکٹر صاحب مرحوم کا گاؤں اور علاقہ مروّجہ بدعات اور مشرکانہ کاموں میں مبتلا تھا، دینی تعلیم اور دینی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب بھی وطن والوں کے ساتھ تھے اور اُن کے کاموں میں شریک تھے لیکن مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے وابستگی اور ندوۃ العلماء کے تعلق نے اُن کی زندگی کو صحیح اور تعمیری رخ پر موڑ دیا، ندوہ آنے کے بعد سب سے پہلے محصّل کی حیثیت سے کام کیا لیکن بہت جلد شعبہ مکاتب شہر سے وابستہ ہوگئے، ۱۹۶۳ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرسہ ثانویہ قائم ہوا جس کے سب سے پہلے ہیڈ ماسٹر جناب محمد حسن خاں عرشی مقرر ہوئے، انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو مدرسہ ثانویہ منتقل کروا لیا، ندوہ آنے سے ایک سال قبل مولانا ثانی حسنی ندویؒ کی تجویز پر عصر سے عشاء تک مکتبہ اسلام اور ماہنامہ ''رضوان'' کا کام کرتے تھے، اِن ساری مصروفیات کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا، چنانچہ پرائیوٹ طور پر ہائی اسکول اور انٹر کا امتحان دیا اور اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی، گھریلو تعلیم مڈل تک تھی، ڈاکٹر صاحب کی محنت اور لگن کے تعلق سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنے شوق سے انھوں نے قرآن حفظ کر لیا تھا اور بعد کو کانپور میں حافظ صدیق صاحب کو سنا دیا تھا، ماشاء اللہ انھوں نے کئی محرابیں سنائی تھیں، ملازمت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، شروع سے ڈاکٹر صاحب ذہین اور محنتی تھے اس لیے بہت ممتاز اور فائق طالب علم تھے، اسی طرح ملازمت کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ہمیشہ عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا، ان کی صلاحیت اور دیانت داری کے پیش نظر دار العلوم کے ذمہ داروں نے مرحوم کو اہم عہدوں پر فائز کیا، بخیر وخوبی مرحوم نے اُس کا حق ادا کیا، اور دوسروں سے بھی ڈاکٹر صاحب تقاضہ کرتے تھے اور امید کرتے تھے کہ وہ بھی اپنے فرائض منصبی دیانتداری کے ساتھ ادا کریں، وہ ایک عملی آدمی تھے، میری ملازمت کا اکثر زمانہ مجلس تحقیقات ونشریات میں گزرا لیکن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد شعبہ دعوت وارشاد میں منتقل ہوا تو ڈاکٹر صاحب کو بہت قریب سے

دیکھنے کا موقع ملا اور بہت کچھ سیکھنے اور استفادہ کا موقع ملا، تقریر ہو یا تحریر ہر چیز میں معتبر اور مستند روایتوں کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے، اگر دوران گفتگو بھی کوئی غیر علمی بات ہوتی تو اُسے رَد کردیتے اور اُس کی اصلاح کرتے، صحت زبان اور تحریر میں ''اِملے'' کا بہت خیال کرتے، میں اپنے کو مرحوم سے ہر اعتبار سے کم تر پاتا، لیکن مرحوم اپنے کاموں میں برابر کا شریک رکھتے، دعوت وارشاد کے سارے کام انھیں کی سرپرستی اور رہنمائی میں انجام پاتے، مرحوم دین کے سچے اور مخلص داعی اور خادم تھے، اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی مرحوم کا خاص وصف تھا، ایک زمانے میں لکھنؤ کے مضافات اور دیہی علاقوں میں فتنۂ قادیانیت نے زور وشور کے ساتھ سر اٹھایا اور مختلف جگہوں پر قادیانیوں نے اپنے مبلّغ اور بچوں کو پڑھانے کے لیے باتنخواہ معلّم رکھے جس کی وجہ سے ارتداد کا سخت خطرہ پیدا ہوگیا، ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس فتنۂ عظیم کی سرکوبی کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی، دیہات کے دور دراز علاقوں میں سخت دھوپ اور گرمی میں سفر کرتے جہاں قادیانیوں نے اپنے مبلّغ اور معلّم متعین کیے تھے اور سیدھے سادھے اَن پڑھ اور غریب لوگوں کو گمراہ کیا تھا، الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کی محنت اور کوشش سے لوگ راہ حق پر آئے، ندوۃ العلماء کی طرف سے وہاں مکاتب قائم کیے جہاں مسجدیں نہیں تھیں، وہاں مسجدیں بنوائیں اب اِس وقت ندوۃ العلماء کے پندرہ سولہ مکاتب قائم ہیں، وہاں کے مدرس تدریس کے ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کے سلسلہ میں ردّ قادیانیت کا کارنامہ ناقابل فراموش ہے، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے دل میں طلبِ علم کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہا، طلب صادق کی اللہ قدر کرتا ہے اور اُس کے لیے راہیں نکالتا ہے، پردۂ غیب سے سعودی عربیہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل گیا، تفصیل اُس کی ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں سنئے:

''۱۹۷۹ء میں میری درخواست اور جناب مولانا محمد میاں صاحبؒ (مدیر البعث الاسلامی) کی سفارش سے ریاض یونیورسٹی کے ''معهد اللغة العربية لغير الناطقين بها'' میں عربی پڑھنے کا ویزہ مع وظیفہ مل گیا، ۱۹۷۹ء کے آخر سے ۱۹۸۵ء تک میں رہا، ہمارا معہد کی تعلیم کے بعد بی اے کی سند کی بنیاد پر اور ایک سعودی دوست کی سفارش پر میرا وہاں داخلہ ایم اے میں ہوگیا.......... ۱۹۸۵ء میں ریاض سے واپس آیا اور ۱۹۸۶ء میں پھر معہد دار العلوم ندوۃ العلماء سے منسلک ہوگیا اور ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۹۷ء میں ریٹائرڈ ہوا مگر خدمات جاری رکھنے کے لیے توسیع ملتی رہی''۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم باصلاحیت اور محنتی انسان تھے کبھی اپنے کاموں کو تنخواہ سے نہیں ناپا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص نے اپنی ساری صلاحیتوں کو دین کی خدمت اور سربلندی کے لیے وقف کردیا ہے، ۲۰۰۱ء میں ندوۃ العلماء کے ہندی ترجمان ''سچّا راہی'' کا اجرا ہوا، ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے ''سچّا راہی'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا انتخاب کیا، مرحوم نے مرتے دم تک بڑی حسن خوبی سے اِس ذمہ داری کو انجام دیا، ڈاکٹر صاحب جس کام کو کرتے تھے اُس کو پوری ذمہ داری اور دیانتداری سے انجام دیتے، صلاحیت اور محنت ڈاکٹر صاحب کا نمایاں وصف تھا، یہ وصف اُن کی ترقی درجات کا سبب تھا، ذمہ داروں کے حکم سے معاون ناظر عام کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں، ڈاکٹر صاحب نظم اور نثر دونوں پر قدرت رکھتے تھے، یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کے موقع پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اُن کو یاد فرماتے تھے، اِس موقع پر ڈاکٹر صاحب مرحوم کے تاریخی قطعات اور اشعار ہیں، موجودہ سیاسی حالات کے پیشِ نظر ڈاکٹر صاحب نے ہندی زبان میں کچھ اشعار کہے تھے وہ پیش خدمت ہیں، آپ تصدیق کریں گے کہ ہمارے ملک ہندوستان کی کتنی صحیح اور سچی تصویر کشی کی گئی ہے، ملاحظہ ہو!

بھیڑ کی ہنسا جاری ہے
شاسن پہ وہ بھاری ہے
کردیں وہ مسجد مسمار
جس کو چاہیں ڈالیں مار
سزا نہیں وہ پاتے ہیں
بھیڑ میں وہ چھپ جاتے ہیں
اس سے ملتا ہے یہ سندیش
جس کی لاٹھی اُس کی بھینس

ان ہمہ جہت صفات کے انسان کبھی کبھی تاریخ میں آتے ہیں، میں نے اُن کی زندگی کا پورا احاطہ تو نہیں کیا، لیکن کوشش کی ہے کہ مرحوم کی زندگی کے وہ پہلو نمایاں ہوں جس میں دوسروں کے لیے سبق اور موعظت کا سامان ہو، ذاتی طور پر میں مرحوم سے بہت متاثر تھا، کچھ تو انسان کی خداداد صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ صلاحیتیں طلب صادق اور عمل پیہم سے بنتی ہیں، ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اور رخصت پر عمل نہیں کیا،

اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ہمیشہ رضاء الٰہی کو پیش نظر رکھا، نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔

پیرانہ سالی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب دائم المریض تھے بار بار بیماری کے حملے ہوتے تھے، کتنی راتیں اور کتنے دن ایسے گزرے جس میں برابر یہ احساس ہوتا تھا کہ زندگی کا یہ آخری دن ہے، باہمّت آدمی تھے سفر آخرت کا غلبہ ہر وقت رہتا تھا، انتقال سے دو سال پہلے بہت مایوس کن حالت ہوگئی، طبیعت ذرا سنبھلی دفتر تشریف لے آئے رات کی کیفیت مجھ سے بیان کی اور ساتھ ہی ساتھ ''اہل ندوہ کو سلام'' کے عنوان سے ایک نظم کہی جس کا اِملا مجھے کرایا، میں نے اُس کو محفوظ کرلیا اور اس پر تاریخ اور وقت نوٹ کردیا، وہ یادگاری نظم آپ کی خدمت میں پیش ہے، اہل ندوہ سے ڈاکٹر صاحب مرحوم کا جو جذباتی لگاؤ اور تعلق تھا اُس کا اظہار ہر ہر شعر سے ہورہا ہے، انتقال کے روز یہ نظم کمپوز کرا کر تمام ذمہ داروں کی خدمت میں پیش کیا، لوگ حیرت میں تھے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ اشعار کس وقت کہے، ابھی تو ان کے انتقال کی اطلاع آئی ہے، گویا کہ یہ اشعار ہاتف غیبی کی آواز تھی:

اہل ندوہ کو سلام

السلام اے اہل ندوہ السلام
میں چلا اپنے وطن کو والسلام
کوچ کا اب وقت ہے بالکل قریب
اب مجھے رخصت کریں اور لیں سلام
ایک مدت سے رہا خدمت میں ہوں
درگزر کردیں خطائیں والسلام
میں دعاؤں کا بہت محتاج ہوں
اب دعائیں دیں مجھے اور لیں سلام
گرچہ بخشش کی مجھے امید ہے
پھر بھی تو ہے خوف طاری یا سلام
میں نبی پاک کا ہوں اُمّتی
رحمتیں اُن پر ہوں اور لاکھوں سلام

تحریر کردہ ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۹ء ۱۱:۳۰ بجے دن، یوم شنبہ

ڈاکٹر صاحب نے ایک اچھے مومن کی حیثیت سے زندگی گزاری، اپنے پیچھے اولاد اور احفاد کی بڑی تعداد چھوڑی، سب کو علم اور دین سے وابستہ کیا، سب نیک اور صالح اولادیں ہیں، جو بہترین صدقہ جاریہ ہیں، ڈاکٹر صاحب ایک اچھے معلّم اور مربّی تھے، تدریس کے تعلق سے مرحوم کے اندرون اور بیرون ملک سیکڑوں شاگرد ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کی تعلیم وتربیت کے بہت زیادہ معترف اور مدّاح ہیں، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اپنے بعد آنے والوں کے لیے ڈاکٹر صاحب نے اچھا نمونہ پیش کیا، ڈاکٹر صاحب مرحوم کو یاد کرکے بے ساختہ یہ شعر زبان پر آرہا ہے:

بنا کردند خوش رسمے بخاکِ خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

☆☆☆☆☆

اللہ ہی کا نام ہمیشہ بلند وبالا

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

انسانیت نواز کوششوں کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ہر مخالف کوشش اور اس کے ردعمل کے باوجود فروغ پاتی ہیں، اور اس کے حامل افراد بہادری، جرأت واستقامت جیسی صفات سے متصف ہوتے ہیں، جن کے اندر ہر قسم کے مادی طوفان اور پریشان کن صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی پوری طاقت ہوتی ہے، اور وہ ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے صدق دل سے تیار رہتے ہیں، خواہ وہ قربانی مال کی ہو، یا اللہ کے راستہ میں اپنے خون کو بہانے کی، اور اس سلسلہ میں ایسے شخص کو اس لیے بھی کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کو یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ اس کے ہر عمل کا اجر اللہ کے یہاں طے شدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ باطل طاقتوں کے زدوکوب کرنے اور اہانت آمیز سلوک کی کبھی پرواہ نہیں کرتا، اس لیے کہ حقیقی عزت دینے والی ذات اللہ کی ہے، اگر کوئی ایسا مضبوط صاحب ایمان ہے تو اس کی ظاہری دنیا ویران بھی ہوجائے پھر بھی اس کا دل نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ اس کو اللہ سے اچھے فیصلے اور حالات کی تبدیلی کا یقین رہتا ہے، لہٰذا اگر اصحاب دعوت صبر سے کام لیں اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کریں، اور اپنی محنت جاری رکھیں تو ان شاء اللہ وہ خود یا ان کے بعد والے ضرور دیکھیں گے کہ اللہ کے راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کی حیثیت پانی کے جھاگ سے زیادہ نہ تھی، اور بلاشبہ اللہ ہی کا نام ہمیشہ بلند وبالا رہا ہے۔ ☆☆☆

تفہیم شریعت

شرعی قانون کی بالادستی اور اس کی حکمت

قاضی عبدالجبار طیب ندوی

شرعی قانون

اللہ رب العزت کا وہ قانون ہے جو اس نے مومن اور مسلمان بندوں کے لیے بنایا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''اللہ نے تمہارے لیے دین (شریعت) مقرر کر دیا ہے'' [الشوری: ۱۳]، معلوم ہوا کہ دین ہی شریعت ہے۔

انسانی خود ساختہ قانون

اس دنیا میں اچھے اور برے ہر دو طرح کے لوگ آباد ہیں، جب اچھوں کی اچھائیوں پر بروں کی برائیاں غالب آجاتی ہیں تو انسانی سماج اس کے تدارک اور روک تھام کے لیے کچھ قانون اور ضابطے مقرر کرتا ہے، تاکہ برائی اور جرائم کی روک تھام ہو سکے، لیکن اس کے باوجود انسانی سماج میں موجود خطرناک جرائم کم ہونے کے بجائے مزید نئے نئے جرائم سامنے آرہے ہیں، گویا یہ ثابت ہو گیا کہ انسانوں کا خود ساختہ قانون اور اس کا بنایا ہوا اپنا دستور اس کی روک تھام کی اہلیت سے عاری ہے، بسا اوقات انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی بعض شقوں سے دوسرے جرائم پیشہ افراد کو حوصلہ و ہمت ملتی ہے، اس طرح اس کے افرادی قوتوں اور طاقتوں میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

قانون سازی کا حق کس کو ہے؟

اس قانون کی کمزوری کی وجہ ضعیف و ناتواں انسان کا خود قانون ساز بننا ہے، جبکہ دوسری طرف شریعت اسلامیہ کی معنویت کو دیکھئے کہ اس کا قانون ساز وہ ذات ہے جو انسان کی خوبی و بدی، ذوق و شوق، مزاج و طبیعت، فطرت و عادت، سوچ و فکر اور اس کی حیوانی و بہیمی قوت و طاقت سے اور اس کے ظاہر و باطن سب سے واقف و جانکار ہے، اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآن کی زبانی یہ صدا لگائی کہ اس دھرتی پر کسی کی حاکمیت چلنے والی نہیں، حاکمیت و حکومت تو صرف اسی کا حق ہے۔ [الانعام: ۵۷، الأعراف: ۵۴]

کیوں کہ پوری انسانیت کے لیے وہی ذات نظام حیات کو طے کر سکتی ہے، جو ایک طرف پوری کائنات کے بارے میں باخبر ہو اور پوری انسانیت کے جذبات و احساسات اور اس کی خواہشات و ضروریات، نیز اس کے نفع و نقصان سے اچھی طرح واقف ہو، اگر وہ ان حقیقتوں کا علم نہیں رکھتا ہو، تو عین ممکن ہے کہ اس کے دیے ہوئے بعض احکام نفع کے بجائے نقصان اور خیر و فلاح کے بجائے ناکامی و خسران کا باعث بن جائیں۔

شریعت اسلامی کو جو باتیں انسان کے خود ساختہ قوانین سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- عدل: شریعت اسلامی کا سب سے امتیازی وصف عدل ہے، اس دین کی بنیاد ہی عدل پر ہے: ''ان اللہ یامر بالعدل والاحسان'' [النحل: ۹۰] اسلام کی نگاہ میں رنگ و نسل، جنس اور قبیلہ و خاندان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقوی اختیار کرنے والا ہے''۔ [الحجرات: ۱۳]

اسلام کے اس ممتاز وصف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور واضح فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے [مسند احمد: ج ۵/ ص ۴۱۱]، اسلام کے تمام قوانین کی اساس اسی اصول پر ہے، برخلاف انسانی قوانین کے، کہ انسانوں نے جو بھی قوانین وضع کیے ہیں، وہ ایک گروہ کی برتری اور دوسرے طبقہ کی تذلیل و حق تلفی پر مبنی رہا ہے، اس اصول کی روشنی میں آپ خود ساؤتھ افریقہ اور امریکہ میں جو رنگ و نسل کی بنیاد پر معاشرہ میں تفریق ہے دیکھ سکتے ہیں کہ آج بھی نسلی امتیاز کی بنیاد پر شہریت کے مختلف درجات اور حکومت وقت کی طرف سے رعایتیں اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، بعض ریاستوں میں اب بھی گوری اور کالی نسل کے درمیان شادی خواب پریشاں ہے۔

۲- توازن و اعتدال: شریعت اسلامی کا دوسرا امتیازی وصف اس کا توازن و اعتدال ہے، مثلاً مرد و عورت انسانی سماج کے دو لازمی جزء ہیں، جبکہ دنیاوی قوانین میں بعضے قانون ایسا ہے جس میں عورت کی حیثیت جانور اور بے جان املاک کی سی قرار دی گئی، نہ وہ کسی جائیداد کی مالک ہو سکتی تھی نہ اس میں تصرف کا حق رکھتی تھی، اپنے مال اور نہ اپنی جان پر اسے کوئی اختیار تھا، یہاں تک کہ وقت کے مزعومہ دانشوروں نے یہ بحث چھیڑ دی کہ عورتوں میں انسانی

روح پائی جاتی ہے یا حیوانی؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

اسی کے بالمقابل دوسری طرف کچھ لوگوں نے عورتوں کو تمام ذمہ داریوں میں مردوں کے مساوی قرار دے دیا، عورتوں کی جسمانی کمزوری، ان کے ساتھ ہر ماہ پیش آنے والے قدرتی حالات کو پس پشت ڈال کر محفلوں، دفتروں اور گذرگاہوں میں ان کی صد فیصد حاضری کو آزادی نسواں کا نام دے کر کے اپنی ہوس بھری نگاہوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا، انجام کار کیا ہوا کہ اس آزادی نے سماج کو بے حیائی، اخلاقی انارکی، ناقابل علاج امراض، خاندانی نظام کا بکھراؤ اور خود عورتوں کو ناقابل تحمل فرائض کا تحفہ دیا۔

جب کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں سے متعلق نہایت متوازن قانون دیا ہے، انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو مساوی درجہ دیا گیا، [البقرۃ: ۲۲۸] لیکن سماجی زندگی میں دونوں کے قویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے، اور بال بچوں کی تربیت کی ذمہ داری عورتوں پر اور ان کے خرچہ اور یعنی نان ونفقہ کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، سماجی زندگی کا یہ نہایت ہی زریں اصول ہے۔

عقل ومصلحت سے ہم آہنگی

اللہ سے بڑھ کر کوئی ذات انسان کی مصلحتوں سے واقف نہیں ہے، اسی لیے شریعت کے احکام عقل کے تقاضوں اور انسانی مصلحتوں کے بالکل عین مطابق ہے، اس کے برخلاف انسان کا خود ساختہ بہت سے قانون ایسے ہیں جو عقل اور انسانی مصلحتوں کے بالکل مغائر ہیں جیسے شراب کی حرمت ہے، اسلام میں شراب حرام ہے، جبکہ دنیاوی قانون اس کے پینے کی اجازت دیتا ہے، حالانکہ یہ بات دنیا کے سامنے عیاں ہے کہ شراب انسان کے لیے نہایت نقصان دہ اور اس کی صحت کو برباد کردینے والی چیز ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، مگر آج دنیا کے تقریباً تمام ممالک اس کے پینے کی اجازت دیتے ہیں، اسی طرح غیر قانونی جنسی تعلق کے بارے میں تمام مذاہب اور ہم جنسی کے بارے میں تمام میڈیکل ماہرین متفق ہیں کہ یہ صحت کے لیے نہایت مہلک فعل ہے، اس کے باوجود بہت سے ممالک نے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔

۴- فطرت انسانی سے مطابقت: انسانوں کی فطرت سے کون زیادہ واقف ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے اس کا خالق ہی زیادہ واقف ہے اس کی فطرت سے، اسی لیے اللہ رب العزت نے دین ایسا بھیجا جو انسانوں کی فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا [الروم: ۳۰]، فطرت سے بغاوت ہمیشہ انسان کے لیے نقصان وخسران اور تباہی وبربادی کا سبب بنا ہے، انسان کے بنائے ہوئے قانون کو دیکھیے بالکل فطرت سے بغاوت قدم قدم پر ملے گی، مثلاً اللہ تعالیٰ نے عورت کو جلد باز اور عجلت پسند بنایا ہے، اسی لیے اسلام نے طلاق کا اختیار عورت کو نہیں دیا، بلکہ مرد کو اختیار دیا، اور عورت کے لیے عدلیہ سے گلو خلاصی کی سہولت دی، اسلام کا یہ قانون بالکل عین فطرت ہے، مگر وہیں مغرب نے مرد وعورت دونوں کو مساوی درجہ دیتے ہوئے طلاق کا حق بھی دونوں کو دیدی، پھر وہی ہونا تھا کہ طلاق کی شرح بڑھ گئی، یہاں تک کہ بہت سے ملکوں میں طلاق کی شرح نکاح سے بڑھ گئی، اسی طرح انسانی فطرت ہے کہ سخت اور مناسب سزائیں ہی انسان کو جرائم سے روک سکتی ہیں اور مجرم کے ساتھ حسن سلوک اور سزا میں تخفیف دراصل مظلوم کے ساتھ ناانصافی اور سماج کو امن سے محروم کرنے کا باعث ہے، اسی لیے اسلام میں قتل کی سزا قتل رکھی گئی اور بعض بڑے جرائم کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے، لیکن مختلف ملکوں میں قتل کے مقابلہ قتل کی سزا ختم کردی گئی اور مجرم کے ساتھ سہولت کا معاملہ کیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم پر مجرموں کی جسارت اور بڑھتی جارہی ہے، اسلام کی اس حقانیت کو سمجھتے ہوئے اب بعض ملکوں نے قتل کی سزا کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی شریعت اسلامیہ کی خصوصیات اور اس کے امتیازات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ ہی ایک ایسا نظام حیات ہے کہ جس پر چل کر انسان دین ودنیا کی سعادتیں اور نیک بختیاں حاصل کرسکتا ہے۔

اعداء اسلام نے شریعت کے بعض احکام کو غیر منصفانہ اور عورت مخالف قرار دیا ہے، مغربی دنیا نے اس جھوٹ کو اتنا بیان کیا کہ لوگوں نے ان کو سچ تصور کرلیا، انصاف کرنے والوں نے بھی مغرب کے جھوٹ کو اپنے فیصلہ کا ماخذ ومرجع قرار دیا؛ کیوں کہ انسان جو کچھ پڑھتا ہے اور لکھتا ہے اسی کو سچ سمجھتا اور اسی کے مطابق اس کی سوچ بنتی ہے؛ صورت حال اس وقت زیادہ افسوسناک ہوجاتی ہے، جب پڑھے لکھے مسلم دانشور بھی اس بھنور میں پھنس جاتے ہیں تو اس وقت یا تو وہ شرعی احکام کی غلط تشریح و توضیح کرتے ہیں یا پھر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں، اس ناواقفیت کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں: ۱- شرعی احکام سے عدم واقفیت، ۲- یا پھر شرعی احکام سے واقف تو ہیں لیکن اس کے پس منظر اور حالات سے آگہی نہیں ہے، اور اس کی مصلحتوں پر

ان کی نظر نہیں ہے؛ لہٰذا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت کے احکام صحیح طور پر لوگوں تک پہونچائیں اور ان کی مصلحتوں اور حکمتوں کو واشگاف کیا جائے، تفہیم شریعت کے جلسوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اور خاص طور سے ملک کی میڈیا اور برادران وطن کو شریعت کے احکام صحیح طور پر پہونچانے کی سعی اور کوشش کی جائے، اجلاس تفہیم شریعت میں مندرجہ ذیل موضوعات پر علماء کرام کے محاضرات وخطابات ہوسکتے ہیں:

۱- **کم عمری کی شادی**: کم عمری کی شادی کی اسلام نے صرف اجازت دی ہے، نہ تو ترغیب دی ہے اور نہ ہی اس کو فضیلت والا بتایا ہے، تاہم اس سے منع بھی نہیں کیا ہے، کیوں کہ یہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے، جو لوگ کم عمری کی شادی کے مخالف ہیں وہ شادی کے لیے اٹھارہ سال کی عمر کی قید کے حق میں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ کم سنی اور کم عمری کی شادی لڑکیوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس سلسلہ میں کئی باتیں قابل غور ہیں:

الف: طبی نقطہ نظر سے دیکھیں تو جسمانی نشو نما تمام لڑکیوں اور لڑکوں میں یکساں نہیں ہوتی ہے، موسمی حالات، غذا، ماحول، اور موروثی اثرات کی وجہ سے بلوغت کی عمر میں فرق ہوتا ہے، اور جسمانی قوت وطاقت میں بھی ظاہری فرق ہوتا ہے؛ اس لیے اٹھارہ سال کی تعیین قابل فہم نہیں۔

ب: اخلاقی پہلو: فحش ویڈیو، فلموں اور مخرب اخلاق رسائل تک کم عمروں کی رسائی ہو چکی ہے جس کی وجہ سے نابالغ بچے تک جنسی بے راہ روی کے شکار ہیں، شادی سے پہلے اسقاط حمل کی کثرت ہوگئی ہے، قابل غور پہلو یہ ہے کہ کم عمری کے نکاح زیادہ نقصان دہ ہے یا کم عمری کے جنسی تجربات؟۔

ج: تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اب لڑکے اور لڑکیوں میں تعلیم کا رجحان بڑھا ہے، چودہ پندرہ سال کی عمر میں لڑکے اور لڑکیاں میٹرک کرتے ہیں، اور اس سے آگے کی تعلیم مکمل ہونے تک اچھی خاصی عمر ہو چکی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے کم سنی کے نکاح کے واقعات اب خود کم ہو رہے ہیں؛ اس لیے کم عمری کے نکاح کو روکنا ہے تو تعلیم کو فروغ دینا چاہیے اور اسے عام کرنا چاہیے۔

۲- **تعدد ازدواج کا مسئلہ**: تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا گیا ہے، ہندو مذہب کی مشہور کتاب رگ وید (۱۰/۱۰۸-۱۰۵) میں ایک مرد کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کرنا درست قرار دیا گیا ہے، دیودا میں تو سماج کی تفریق کے ساتھ یہ حکم ہے کہ شودر کے لیے صرف ایک بیوی، ویش کے لیے دو، چھتری کے لیے تین، برہمن کے لیے چار اور بادشاہ جتنی چاہئے رکھنے کی اجازت ہے، یہودیت میں بھی اس کی اجازت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں کا ذکر خود توریت میں موجود ہے، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ اور حضرت قطورہ، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویوں کا ذکر بھی ملتا ہے، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ عیسائیت میں اصلاً تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔

اسلام نے بھی تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے؛ لیکن اس سلسلہ میں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

الف: اسلام نے اس کی صرف اجازت دی ہے، اس کو فضیلت نہیں بتایا۔

ب: بیویوں کی تعداد کو محدود کر دیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار نکاح کی اجازت ہے۔

ج: یہ اجازت عدل وانصاف کے ساتھ مشروط ہے یعنی اگر کوئی شخص ایک سے زائد بیوی رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ ان کے درمیان انصاف کا معاملہ کرے، ورنہ ایک بیوی کو رکھے۔

۳- **طلاق**: شریعت اسلامی میں طلاق ایک ناپسندیدہ مباح عمل ہے، مرد کو اس کا اختیار دیا گیا ہے، عورت کو نہیں دیا گیا، عورت کے لیے خلع اور عدلیہ سے گلوخلاصی کی سہولت دی گئی ہے جبکہ مغرب نے مرد اور عورت کو مساوی درجہ دیتے ہوئے طلاق کا حق بھی دونوں کو دیدی، نتیجہ یہ نکلا کہ اب طلاق کی شرح بڑھ گئی۔

۴- **میراث**: اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو میراث میں حق دیا ہے، لیکن اس کے باوجود متعصب ذہنیت نے میراث میں عورتوں کے حقوق کو غیر منصفانہ کہہ کر اسلام کے روشن چہرہ پر قدغن لگانے کی کوشش کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میراث میں کئی حالتیں ایسی ہیں جن میں مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں، اور کئی حالتیں تو ایسی بھی ہیں جس میں مرد عورتوں سے کم پاتا ہے، عورتوں کے حصے اس سے زیادہ ہوتے ہیں۔

یہ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جیسے نفقہ مطلقہ، لے پالک، تین طلاق کا تصور، پوتے کی وراثت، جن پر اعداء اسلام نے اعتراضات کیے ہیں، علماء اور دانشوران قوم نے الحمدللہ اس کے مسکت جوابات بھی دیے ہیں، ضرورت اس وقت اس بات کی ہے کہ امت کا ہر فرد شرعی احکام سے واقف ہو اور ان احکام کے پس منظر اور مصلحتوں پر ان کی گہری نظر ہوتا کہ ان تک شرعی احکام صحیح طور پر پہونچ سکے اور اسلام کے خلاف معاندانہ ومخالفانہ رویہ اختیار کرنے سے باز آجائیں۔

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

تحفظ ماحولیات میں اسلام کا کردار

مولانا محمد طارق نعمان

خالقِ کائنات نے تخلیقِ کائنات کے ساتھ ہی ایک مضبوط نظام عطا فرما کر پوری کائنات کو محفوظ و مامون بنا دیا جس پر قرآن مجید کی کئی آیاتِ مبارکہ شاہد ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور بے شک ہم نے سب سے قریبی آسمانی کائنات کو (ستاروں، سیاروں، دیگر خلائی کروں اور ذروں کی شکل میں) چراغوں سے مزین فرما دیا ہے اور ہم نے ان (ہی میں سے بعض) کو شیطانوں (یعنی سرکش قوتوں) کو مار بھگانے (یعنی ان کے منفی اثرات ختم کرنے) کا ذریعہ (بھی) بنایا ہے اور ہم نے ان (شیطانوں) کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ [سورۃ الملک: ۵]

مزید سورۃ الرحمٰن میں ارشادِ خداوندی ہے: ''سورج اور چاند (اسی کے) مقررہ حساب سے چل رہے ہیں''۔ [الرحمٰن: ۵]

یعنی یہ سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں جو منزلیں اور بروج ان کے لیے مقرر ہیں نہ ان سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ روگردانی، اپنے اپنے مدار میں مصروف سیر ہیں کیا مجال کہ دائیں یا بائیں سرکیں یا لمحہ بھر کی بھی تقدیم و تاخیر کریں، کیا ہی انوکھا، عجیب تر اور حیرت کن نظم و ضبط نظام شمسی میں رکھا ہے۔

تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بر بن فرح الانصاری الخزرجی شمس الدین قطبی سورۃ الرحمٰن کی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہ) اور ابو مالک (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ وہ (سورج اور چاند) حساب سے (اپنی اپنی) منازل میں چلتے ہیں اور ان سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ہی ان سے علیحدہ ہوتے ہیں (یعنی اپنا راستہ تبدیل نہیں کرتے)۔

اسی نظام کی پابندی کے باعث وقت پر موسم بدلتے ہیں، وقت پر دن طلوع ہوتا ہے اور رات آتی ہے، ہر روز مقررہ وقت پر ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے، اسی سے ماہ و سال کا حساب بنتا ہے، اگر اس نظام میں ذرا سا بھی خلل آجائے تو ساری کائنات چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔

الغرض پوری کائنات میں جس جانب بھی نظر دوڑالیں ہر ذرے اور ہر کرے میں مکمل نظم و ضبط پایا جاتا ہے ہر قدرتی نظام میں ایک توازن پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز میں ایک نکھار اور تروتازگی ہے۔

انسان نے جب بھی اس توازن کو عدم توازن میں لانے کی کوشش کی اس کو منفی اثرات بھگتنے پڑے، تو واضح یہ ہوا کہ تخلیقِ کائنات میں کوئی کمی، کوئی کجی، کوئی نقص بلکہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک و مبرا ہے، یہ جو آج پوری دنیا مختلف قسم کی آلودگیوں میں گھری ہوئی نظر آتی ہے، یہ انسان کی اپنی پیدا کردہ ہے جس کا مختصر جائزہ یہ ہے۔ جب دنیا نے گیسی مادوں کی ایجادات اور ان کے وسیع پیمانے پہ استعمال کے دور میں قدم رکھا، صنعتی ترقی کے ذریعے مختلف الانواع ایجادات، گونا گوں تحقیقات، کیمیائی اور حیاتیاتی دریافتوں کے میدان میں انسان نے بے پناہ ترقی حاصل کی۔ اِس بے احتساب اور بھاگم بھاگ کی ترقی کی وجہ سے قدرتی ماحول پر انتہائی بھیانک اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

اس وقت انسانی جان کی بقا کو جن چیزوں سے خطرہ لاحق ہے ان میں سے ایک بڑا خطرہ ماحولیاتی آلودگی بھی ہے جو موسم کی ناہمواری، درجہ حرارت کی کمی و زیادتی، خشک سالی، طوفان، سیلاب، قدرتی آفات اور دیگر انسانی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے امراض جنم لیتے ہیں۔ اب تو فطری ماحول کی ناہمواری نے بھی انسانی وجود کی بقا کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ روئے زمین پر تمام جانداروں اور بالخصوص انسانی جان کے تحفظ کا انحصار جن باتوں پر کیا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک آلودگی سے پاک ماحول ہے۔ ہم سب کے لیے ان ماحولیاتی تبدیلیوں کو سمجھنا اس لیے ضروری ہو گیا ہے کہ خود انسانی زندگی اس سے پوری طرح اور بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کا تدارک سیرت النبی کی روشنی میں

واضح رہے کہ ماحولیاتی آلودگی کو ہم نے ہوا، پانی، مٹی، دھواں، درجہ حرارت کی کمی یا زیادتی تک محدود کر دیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ماحولیاتی آلودگی کا مسئلہ فقط انہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ماحولیاتی آلودگی کا دائرہ کار وسیع ہے، اس کا اطلاق اخلاقی آلودگی، اقتصادی آلودگی، سیاسی آلودگی، تعلیمی آلودگی، ظاہری و باطنی آلودگی، ذہنی، فکری اور معاشرتی آلودگی پر بھی ہوتا ہے، ماحول ہی کی وجہ سے انسان جسمانی اور روحانی طور پر متاثر ہوتا ہے اگر معاشرہ اپنی اخلاقی

اقدار کھو بیٹھے تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ہر طرف خوف و ہراس پھیل جاتا ہے جہاں پر شرفاء اور غرباء کے لیے ایام زندگی گزارنا مشکل ہو جاتے ہیں اور اگر معاشرہ اپنی طبعی اور احساسی اقدار کھو بیٹھے تو ہر گلی و کوچہ غلاظت اور گندگی کا ڈھیر بن جائے۔

پورا شہر ہر جگہ کھڑے بدبودار پانی کی وجہ سے فلڈ ایریا کی صورت اختیار کر لے تو پھر ایسی جگہ پر طبعی اور طبی لحاظ سے انسانی زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر قسم کی ماحولیاتی آلودگی ختم کرنے کی تعلیم دی ہے تاکہ انسان ذہنی، فکری اور جسمانی لحاظ سے محفوظ اور پرسکون زندگی گزار سکے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکی سیرت طیبہ ان ہمہ قسم کی ماحولیاتی آلودگی کے خاتمہ کا احاطہ کرتی ہے۔

طوالت کے خوف کی وجہ سے سیرت طیبہ میں سے یہاں پر فقط چند چیزوں کو ذکر کیا جاتا ہے:

پانی کو ضائع کرنے کی ممانعت

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کو محفوظ کیا جائے اور ہر ممکن اسے ضائع ہونے سے بچایا جائے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو پانی کے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے جس قدر تاکید فرمائی ہے، آدمی پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو ارشاد فرمایا: اسراف نہ کرو، اسراف نہ کرو۔[سنن ابن ماجہ]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے (اور وضو میں اسراف بھی کر رہے تھے) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسے دیکھ کر) فرمایا اے سعد! یہ کیا اسراف (زیادتی ہے)؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر چہ تم نہر جاری ہی پر (کیوں نہ وضو کر رہے) ہو۔[ایضاً]

پانی کو نجاست سے بچانے کا حکم

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح آپ نے پانی کو نجاست وغیرہ سے بھی بچانے کا حکم فرمایا ہے چاہے پانی ٹھہرا ہوا ہو یا جاری ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے“۔[ایضاً]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔[المعجم الاوسط]

پانی کے تحفظ کی احتیاطی تدابیر

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر ممکن پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، چند مقامات ایسے ہیں جہاں سے پانی کو محفوظ کیا جا سکتا ہے مثلاً: غسل کرنے اور ہاتھ منہ دھونے کے لیے صابن کے استعمال کے وقت ٹوٹی کو کھلا نہ رکھا جائے، برتن، کپڑے یا گھر کی صفائی کے لیے کسی بالٹی میں پانی ڈال کر استعمال کرنا چاہیے کیونکہ پائپ سے پانی زیادہ ضائع ہو جاتا ہے۔اسی طرح مسواک اور وضو کرنے کے لیے بھی پانی لوٹا یا کسی برتن میں ڈال کر استعمال کرنا چاہیے تاکہ حد درجے تک پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے اور گھر کے استعمال شدہ پانی کو گلیوں میں فضول نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ ایک تو کھڑے پانی سے گلی، محلے کا ماحول خراب ہوتا ہے اور دوسرا اس سے جراثیم و بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اسے فصلوں، کھیتوں یا کسی طریقے سے کارآمد بنانا چاہیے، اسی طرح ملکی سطح پر بھی بارشوں کے پانی کو محفوظ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم اور بند قائم کیے جائیں اور اسے کارآمد بنایا جائے، پانی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔

پانی کے ایک ایک گھونٹ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ اس بندے پر خوش ہوتا ہے جو کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے یا جو بھی چیز پیئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔[صحیح مسلم]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ: یا اللہ! میں تجھ سے تیری نعمت کے زائل ہو جانے، تیری عافیت کے پلٹ جانے، اچانک مصیبت آ جانے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔[صحیح مسلم]

زمینی اور فضائی آلودگی کا تدارک

زمینی اور فضائی آلودگی سے نجات پانے کا ایک ذریعہ شجر کاری بھی ہے جو کاربن ڈائی آکسائیڈ کے خاتمے اور آکسیجن کی افزودگی کا بہترین ذریعہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجر کاری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب بھی دلائی اور درخت لگانے پر اجر ملنے کا مژدہ بھی سنایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان درخت لگائے یا کھیتی کاشت کرے پس اس میں سے پرندے، انسان یا جانور کھالیں تو اس کے لیے اس میں صدقہ ہے۔[صحیح البخاری]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے تو اس درخت میں سے جتنا کھالیا جائے تو اس (درخت لگانے والے) کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس میں سے چوری ہو وہ بھی اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جتنا اس میں سے درندے کھالیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے اور جتنا اس میں سے پرندے کھالیں وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے (غرض یہ کہ) جو شخص اس میں سے کم کرے گا وہ اس کا صدقہ ہو جائے گا۔[صحیح مسلم]

صحابہ کرامؓ کا شجر کاری کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دن درخت لگا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! درخت لگا رہا ہوں۔[سنن ابن ماجہ]

حضرت قاسم مولی بنی یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ان کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس وقت وہ دمشق میں پودا لگا رہے تھے۔ اس شخص نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ بھی یہ (دنیاوی) کام کر رہے ہیں حالانکہ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے (ملامت کرنے میں) جلدی نہ کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص پودا لگاتا ہے اور اس میں سے کوئی انسان یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی مخلوق کھاتی ہے تو وہ اس (پودا لگانے والے) کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔[مسند احمد]

بلا ضرورت درختوں کو کاٹنے کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن حبش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص (بلا ضرورت) بیری کا درخت کاٹے گا اللہ اسے سر کے بل جہنم میں گرا دے گا، حضرت امام ابو داؤد سے اس حدیث کے معنی و مفہوم سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ حدیث مختصر ہے (پوری حدیث اس طرح ہے) کہ کوئی بیری کا درخت چٹیل میدان میں ہو جس کے نیچے آ کر مسافر اور جانور سایہ حاصل کرتے ہوں اور کوئی شخص آ کر بلا سبب بلا ضرورت ناحق کاٹ دے (تو مسافروں اور چوپایوں کو تکلیف پہنچانے کے باعث وہ مستحق عذاب ہے) اللہ ایسے شخص کو سر کے بل جہنم میں جھونک دے گا۔[سنن ابو داؤد]

بازار یا راہ گزر پہ گندگی پھیلانے کی ممانعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں راستوں تک کو صاف ستھرا رکھنے کی تعلیم ملتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کی ستر یا ساٹھ شاخیں ہیں اور سب سے ادنی شاخ راستے میں سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ہے۔[صحیح مسلم]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی نے قطعاً کوئی نیکی نہیں کی سوائے ایک کانٹے دار ٹہنی کو راستے سے ہٹانے کے، خواہ اسے درخت سے کاٹ کر کسی نے ڈال دیا تھا یا کسی اور طرح پڑی تھی تو اس کی تکلیف دہ چیز کو (راستے سے ہٹانا) اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل فرما دیا''۔[سنن ابو داؤد]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعنت کے تین کاموں سے بچو: مسافروں کے اترنے کی جگہ میں، عام راستے میں اور سائے میں قضائے حاجت کرنے سے۔[سنن ابو داؤد]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعنت والے تین مقامات سے بچو۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ لعنت والے مقامات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس سائے کو استعمال کیا جاتا ہو، اس میں یا راستے میں یا پانی کے گھاٹ میں پیشاب کرنا۔[مسند احمد]

پاکیزگی اور صفائی کے اعتبار سے اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اپنے جسم سمیت اپنے آس پاس کے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے، ہر سلیم الطبع انسان صفائی ستھرائی و خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور گندگی، ناپاکی اور غلاظت سے ناپسندیدگی و نفرت کا اظہار کرتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا ہے، اس لیے ہمیں ہر قسم کی آلودگی سے پیدا ہونے والے مسائل کے تدارک کے لیے سیرت طیبہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور ماحول کو پاک صاف رکھ کر اپنا اور اپنے آنے والی نسلوں کا خیال رکھیں۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام تفسیر: **آسان تفسیر قرآن**

اردو ترجمانی: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

قرآن' کتابِ ہدایت ہے، جس کی رہنمائی سرمدی ہے، لہٰذا اس کا پیغام تمام افرادِ انسانیت تک پہنچنا لازمی ہے۔ یہیں سے اس کے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت پیش آتی ہے؛ کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے اور ہر انسان تو کیا ہر مسلمان بھی عربی زبان سے واقف نہیں ہے، اسی لیے دنیا کی ہر معروف زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا اور تفسیر بیان کی گئی، اور ہر زبان کے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، اس میں بھی اردو داں طبقۂ علماء نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی پوری کوشش کی۔ اردو نے جب سے اپنی شناخت قائم کی اور ایک مستقل حیثیت اختیار کی اور ایک بڑے معاشرہ کے لوگوں کی مادری زبان قرار پائی، اس وقت سے اس زبان میں قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کیے جاتے رہے ہیں، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ کیے جاتے رہیں گے، اور اہالیانِ اردو' قرآن سے نورِ ہدایت کا اکتساب کرتے رہیں گے۔

قرآن چونکہ اک جامع اور مختصر بیانیہ کے حامل اسلوب کی کتاب ہے، اس لیے ہمیشہ اس کی تفسیر وتوضیح کی ضرورت نہ صرف یہ کہ غیر عربی داں طبقہ کو پڑتی ہے؛ بلکہ عربی داں طبقہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، اسی لیے سب سے زیادہ تفسیریں خود عربی زبان میں لکھی گئیں، جن کے ذریعہ مفاہیمِ قرآنی کو واضح کرنے کا کام انجام دیا گیا۔

تاہم یہ اسلوب اس میں روا رکھا گیا کہ 'شانِ نزول' سے متعلق احادیث و واقعات اور اقوالِ مفسرین کا ذکر لازمی سمجھا گیا، اور اکثر تفاسیر میں ان چیزوں کی کثرت نے جہاں اہلِ علم وتحقیق کو فائدہ پہنچایا' وہیں عام قاری اور مبتدی طالب علم کے ذہن کو اُلجھن میں مبتلا بھی کیا، اور اسے آیت کا مفہوم و مراد طے کرنے میں دشواری ہوئی، اور یہ چیز اس کی قرآن سے استفادہ کی غرض پورا کرنے میں کافی حد تک مانع رہی، اور وہ صرف واعظین و مقررین، اور اہلِ قلم و مصنّفین کے واسطہ سے ہی قرآن کا پیغام حاصل کرنے پر مجبور رہا، جو اپنے ذاتی رجحانات کے موافق احادیث واقوال کی روشنی میں قرآن کی تفسیریں کرتے ہیں، جب کہ طلبہ وعوام کو قرآن کے بنیادی پیغام اور اس کی ظاہری تعلیمات کا بلاواسطہ بغیر کسی 'لگی لپٹی' کے حاصل کرنا بایں معنی ضروری ہے کہ اسی سے وہ نام نہاد مذہبی پیشواؤں کی 'من چاہی' تفسیر سے خود کو بچا سکتے ہیں، اور یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ وہ کون اہلِ حق ہیں جو حق کی پیغام رسانی میں دجل وفریب سے کام نہیں لیتے۔

عصرِ حاضر میں جب کہ احکامِ دین تو کجا' مبادیٔ دین سے ناواقفیت تشویشناک حد تک بڑھ چکی ہے' قرآن کا پیغام کی آسان اسلوب میں تفہیم وترسیل کی ابتدائی کوششوں میں اک نمایاں نام ہمیں شامی عالمِ دین شیخ محمد علی صابونی کی 'صفوۃ التفاسیر' ملتا ہے، جنہوں نے بہت سے اختلافات ومباحث سے کنارہ کش رہتے ہوئے امہاتِ کتبِ تفسیر کا خلاصہ اور لب لباب پیش کیا۔ تاہم یہ تفسیر بھی طلبۂ علوم نبوت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی، اور ان کی رعایت میں اس کے اندر قدرے علمی مباحث کو بھی جگہ دی گئی۔ یہ تفسیر مقبول ہوئی اور مدارس کے نصابِ تفسیر کا حصہ بھی۔

عوام کے لیے ابھی بھی ضرورت برقرار تھی۔ جس کو پورا کرنے کی اک اہم کوشش عالمِ عرب میں عصرِ حاضر کے معروف خطیب و واعظ اور داعیٔ اسلام شیخ عائض قرنی نے کی، اور انہوں نے "التفسیر المیسر" کے نام سے ایسی آسان اور سہل نگاری پر مبنی تفسیر عرب عوا کے سامنے پیش کی کہ شاید اب اس سے آگے بڑھ کر قرآن کی پیغام رسانی کی تسہیل کاری مزید نہ کی جاسکے۔

اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام فقہی، ادبی، لغوی اور تحقیقی مباحث کو حذف کردیا گیا ہے، اور محض عبارتِ قرآنی کی رمزی و اشاراتی تعبیر کو عصری و وضاحتی اسلوب میں ڈھال دیا ہے، جس سے طالب علم تو کیا، عام مسلمان تو کیا؛ بلکہ غیر مسلم بھی بآسانی اور بغیر کسی ذہنی خلجان کے قرآن کی مراد کو سمجھ سکتا ہے۔

رہی بات اردو زبان کی تو اس میں تسہیل کاری کا ایک نمونہ مولانا شبیر عثمانی کی تفسیر میں 'خلاصۂ تفسیر' کے عنوان کے تحت نظر آتا ہے؛ مولانا رحمۃ اللہ علیہ آیات کا ترجمہ الگ، اس کی تفسیر الگ اور الگ سے ایک عنوان قائم کر کے توضیحی ترجمہ پیش کرتے ہیں، جس میں جہاں آیتوں کا لفظی ترجمہ ہے وہاں علامتی خط استعمال

کرتے ہیں اور درمیان میں وضاحت کرنے اور ربط پیدا کرنے کے غالباً یہی اسی مقصد برآری کی کوشش کی ہے کہ اردو قاری کو آیت کا مفہوم وضاحت کے ساتھ ایک تسلسل میں معلوم ہوجائے، جس سے اس کو تشفی بھی ہو اور وہ مطالعہ میں گرانی بھی محسوس نہ کرے۔ان کی تفسیر کے اس حصہ کی مستقل اشاعت نظرِ ثانی کے بعد حسبِ ضرورت اضافہ کے ساتھ اس باب میں کافی حد تک مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

''آسان تفسیرِ قرآن'' جو فاضل ندوی ادیب ومصنف ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی کے قلمِ پُر بہار سے ہے شیخ عائض قرنی کی ''التفسیر المیسر'' کا ترجمہ ہے،اور اردو زبان میں قرآنی مطالعہ کی تسہیل کاری کے سلسلہ میں ہماری علم کے مطابق اب تک کی آخری کوشش ہے۔اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان قلم کی روانی، سہل نگاری کے ساتھ ادبی چاشنی بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اور قرآنی عبارت جو اندازِ فکر، آہنگِ نظر، شعور وآگہی اور جذبہ کیفیت پیدا کرنا چاہتی ہے' تفسیری گفتگو اس میں پورا تعاون کرتی ہے، اور قرآن کے مقصود تک قاری کی پوری رہنمائی کرتی ہے۔ ہماری دانست میں یہ پہلی اردو تفسیر ہے جو بغیر 'ترجمہ' کے منظرِ عام پر آئی ہے، اس میں قرآن کی آیات پیش کرنے کے بعد براہِ راست اس کی توضیح وتشریح کردی گئی ہے، اور طلبہ وعوام کے لیے پیغامِ الٰہی کے فہم وادراک کو آسان تر بنادیا گیا ہے۔

جہاں تک عربی تفسیر کے اردو قالب میں ڈھالنے کی بات ہے تو مترجم اس سے قبل بھی عربی سے اردو میں کئی اہم تحریروں کا ترجمہ کرکے دونوں زبانوں میں اپنی صلاحیت ومہارت کا ثبوت دے چکے ہیں۔اور جہاں تک اس ترجمہ کے اسلوب کا ذکر ہے تو انہوں نے بہت سے مقامات پر ترجمہ سے بڑھ کر ترجمانی بھی کی ہے، یا کہہ لیجیے کہ ترجمہ میں حسبِ ضرورت تصرف سے کام لیا ہے، اور بہت سے موقعوں پر اپنی طرف سے طویل ومختصر بین القوسین وضاحتی نوٹس بھی تحریر کیے ہیں،اور اس طرح انھوں نے التفسیر المیسر کو مزید آسان بنانے کی عمدہ کوشش کی ہے۔

ہم فاضل ترجمہ نگار کو قرآن کی اس عظیم خدمت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں،اور ساتھ میں یہ عندیہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اس دور میں اردو زبان خاص طور پر ہندوستان میں اک بہت محدود طبقہ میں منحصر ہوکر رہ گئی ہے،اور اس طبقہ میں بھی ایک بڑا حصہ ان لوگوں کا ہے جو اردو بھی دیگر زبانوں کے رسم الخط میں لکھتے اور پڑھتے ہیں۔لہٰذا مشورہ یہ ہے کہ اس کو ملک کی دیگر زبانوں میں منتقل کیا جائے، تاکہ یہ کوشش کامیاب سے کامیاب تر ہو۔

☆☆☆☆☆

طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں تبدیلی کی ضرورت

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

اگر کوئی شخص میلاد کے جلسوں میں رات بھر جاگتا اور مشاعرہ سنتا ہے،اور صبح کو نماز نہیں پڑھتا، یا فرائض کسی طرح ادا کرلیتا ہے، لیکن سنتیں چھوڑتا ہے، تو اس کو اس دعوائے محبت کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے اس مبارک موقع سے اگر ہم صرف یاددہانی کا کام لے لیا کریں،اور اپنا احتساب کرلیا کریں، تو شاید یہ ہمارے لیے سینکڑوں جلسوں، تقریروں اور مشاعروں سے بہتر ہو، لیکن ان چیزوں سے ہماری دلچسپی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے سننے کے بعد ہم بہت ''سبک دوش'' ہوکر گھر واپس جاتے ہیں، ہمارا دل مطمئن ہوجاتا ہے کہ یہ کارِ خیر کرکے ہم نے بہت سے گناہوں کا کفارہ کردیا ہے،اور آئندہ بھی بہت سے گناہوں کے حقوق حاصل کرلیے ہیں۔

'اللہ غفور رحیم ہے' اور 'حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرماویں گے' کا ایک ایسا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہوگیا ہے جو اسلام کے حقیقی تصور سے بہت مختلف اور بعید ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا یقین برحق اور ہر مسلمان کا عقیدہ ہے، لیکن اگر اس سے ہمارے اندر جذبۂ عمل کے بجائے بے عملی، یا خدانخواستہ بدعملی پیدا ہونے لگے، تو ہمیں محسوس کرنا چاہیے کہ ہم جادۂ شریعت وسنت سے دور ہوتے جارہے ہیں، اور ہمیں اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں فوری تبدیلی کی ضرورت ہے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے زیادہ خدا کی رحمت ومغفرت پر یقین رکھنے والا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ان سے زیادہ حقدار پوری دنیا میں اور کون ہوگا، لیکن کیا وہ ہماری طرح اس پر تکیہ کرکے بیٹھ گئے تھے، اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب کوئی گناہ ان کو نقصان پہنچانے والا نہیں؟

☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: بعض لوگ غلطی سے احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل ہوجاتے ہیں، انہیں بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں احرام باندھے بغیر داخل ہونا درست نہیں ہے، ایسے لوگ کیا کریں؟ کیا وہ دوبارہ میقات جاکر احرام باندھ کر آئیں، یا کوئی اور صورت ہے؟

جواب: مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے، اگر احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل ہوگئے تو بطور جرمانہ ایک بکرے کی قربانی واجب ہے، ہاں! وہ اگر دوبارہ میقات جاکر احرام باندھ کر مکہ واپس آئیں اور عمرہ کے ارکان ادا کرلیں تو دم (بکرے کی قربانی) معاف ہوجائے گا، لہٰذا ایسے لوگوں کے لیے دونوں صورتیں ہیں یاتو بکرے کی قربانی کریں یا دوبارہ میقات جاکر احرام باندھ کر مکہ آئیں۔

[فتاویٰ خانیہ علی الہندیہ: ج۱/ص۱۸۷

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، سوال یہ ہے کہ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے، کیا یہ ثواب صرف نماز کے لیے ہے یا دوسری عبادات کے لیے بھی؟

جواب: حرم شریف کی نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ثواب رکھتی ہے، یہ حدیث سے ثابت ہے، یہ حدیث متعدد سندوں سے ہے، جو محدثین کے نزدیک معتبر ہیں، بعض روایتوں میں روزہ اور دیگر عبادات کا بھی ذکر ہے، لیکن دیگر عبادات کے بارے میں جو روایتیں ہیں، وہ اس درجہ کی قوی نہیں جو نماز کے بارے میں ہیں، تاہم علماء نے لکھا ہے کہ نماز کی طرح دوسری عبادتوں کا بھی ثواب حرم میں بہت زیادہ ہے۔

[احکام القرآن للقرطبی: ج۱/ص۳۰

سوال: قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟

جواب: قربانی ان مسلمانوں پر واجب ہے جن کے پاس اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ کوئی بھی سامان یا نقد اتنی مقدار میں موجود ہو جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے۔

[الدر المختار علی رد المختار: ج۶/ص۳۱۵

سوال: اگر کوئی مسلمان بقدر نصاب مال کا مالک ہو اور اس پر قربانی واجب ہو؛ لیکن فی الحال مال قبضہ میں نہ ہو تو کیا وہ قرض لے کر قربانی کرسکتا ہے؟

جواب: اگر کسی پر قربانی واجب ہو؛ لیکن قربانی کرنے کے لیے مال قبضہ میں نہ ہو تو وہ قرض لے کر قربانی کرسکتا ہے۔ [رد المحتار: ج۹/ص۴۵۳

سوال: مالک نصاب قربانی نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب: مالک نصاب قربانی نہ کرے تو ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو قربانی کی استطاعت رکھے، اور اس کے باوجود قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے“۔

[مشکوۃ، باب فی الأضحیۃ: ص۱۲۷

عیدگاہ میں نہ آنے کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے قابل نہیں، یہ ایک قسم کی وعید ہے۔

سوال: کیا صدقۂ فطر کی طرح قربانی بھی نابالغ بچوں کی طرف سے والد پر واجب ہے؟

جواب: نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی والد پر واجب نہیں ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں صراحت ہے کہ نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

[قاضی خان: ج۴/ص۷۵۵

سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، فتاویٰ ہندیہ میں صراحت ہے کہ قربانی کا گوشت مالدار اور فقیر، مسلم اور غیر مسلم سب کو ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

[فتاوی ہندیہ: ج۵/ص۳۰۰

سوال: قربانی کا گوشت بغیر وزن کیے شرکاء کے درمیان تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بغیر وزن کے قربانی کا گوشت شرکاء کے درمیان تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔

[ملتقی الابحر مع مجمع الانھر: ج۳/ص۵۱۷

سوال: قربانی کی کھال فروخت کردینے کے بعد اس کی قیمت غیر مسلم ضرورتمندوں کو دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: چرم قربانی کی قیمت غیر مسلم کو دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس کا مصرف مسلمان فقراء ہیں، یہ صدقہ واجبہ ہے اور غیر مسلم اس کا مستحق نہیں ہیں۔

[فتاوی ہندیہ: ج۵/ص۳۰۱

سوال: مُردوں کی طرف سے قربانی کی گئی تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے، کیا خود کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا مالدار اعزہ کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر مردہ وصیت کرکے مرا ہو کہ میرے مال میں قربانی کرنا، تو ایسی قربانی کے گوشت کو غرباء ومساکین پر خیرات کردینا لازم ہے اور اگر میت کے مال سے قربانی نہیں کی ہے خواہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو تو اس قربانی کا گوشت خود کھاسکتے ہیں اور مالداروں کو دے سکتے ہیں۔ [رد المحتار: ج۶/ص۳۲۶

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 25th June 2022

تاریخ ۲۵/جون ۲۰۲۲ء

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ رفیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ -/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)
تعمیرات
A/c. No. 1086 3759 733
ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 7275265518
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاكم الله خير الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا